امیر مینائی کی کئی سوانحمریان لکھی جاچکی ہین، یہ نئی سوانحمری ان کے ایک شاگرد اور عزیز جناب شاہ ممتاز علی آہ مرحوم امیٹھوی نے لکھی تھی لیکن اسکی اشاعت کی نوبت مؤلف کی وفات کے بعد آئی، یہ سوانحمری دوسری سوانحمریوں کے مقابلہ مین زیادہ جامع اور مفصل ہے، امیر مرحوم اودھ کے ایک قدیم اور شریف خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے، اور لکھنؤ اور اس کے بعد رامپور کے دربارون سے انکا تعلق رہا تھا، اس لئے اس کتاب مین امیر کے حالات کے ضمن مین شرفاے اودھ کی معاشرت، لکھنؤ کے تمدن اس کے آداب و تہذیب، واجد علی شاہی دور کی ادبی محفلون، اُدبا و شعراے رامپور کی علم نوازیون اور علمی صحبتون کے دلچسپ حالات بھی آگئے ہین، دوسرے حصہ مین امیر کی شاعری پر مختصر تبصرہ، ان پر جو اعتراضات کئے جاتے ہین، اس کے جوابات کلام کا انتخاب مختلف اصناف کے نمونے، دوسرے شعرا سے موازنہ اور امیر کی نثر پر تبصرہ ہے، جناب مؤلف خود صاحب نظر تھے، اس لئے کتاب مین شعر و ادب کے متعلق بہت سی مفید باتین ملجاتی ہین، کتاب کے شروع مین مولنا سید سلیمان ندوی، پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی اور مولنا عبداللہ عمادی کے قلم سے تعارف پیش نامے اور مقدمہ ہے، جناب شاہ محمد عبدالباری صاحب نے اس کتاب کو شائع کرکے اردو ادب مین ایک قابلِ قدر کتاب کا اضافہ کیا،

خرمنِ عشق از جناب شفیق جونپوری، تقطیع بڑی، ضخامت ۱۶۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ:- مکتبہ ادبستان پانڈے حویلی بنارس،

طبقہ شعرا مین جناب شفیق جونپوری کا نام بے گانہ نہین، وہ مولانا حسرت موہانی کے شاگرد رشید اور نوجوان شعرا مین پرانے طرز کے خوشگو شاعر ہین، ان کا کلام اس دور کی آزادیٔ ادب اور اس کے نقائص سے پاک ہے، زبان کی صحت و صفائی اور کلام کی پختگی مین قدیم شعراء کی جھلک نمایان ہے، گو انکی شاعری کی زمین پرانی ہے لیکن اس مین نئے گل بوٹے بھی نظر آتے ہین، اور قدیم تغزل مین نئے خیالات کا بھی خاصہ اثر موجود ہے، کلام درد و تاثیر سے بھی خالی نہین، امید ہے کہ صاحب ذوق طبقہ مین ان کے دیوان کو حسنِ قبول حاصل ہوگا،

"م"

جلد ۴۹ ماہ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۴۲ء عدد ۴

مضامین

شذرات

حامد نعمانی مرحوم

مولانا شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ہی جسمانی یادگار باقی رہ گئی تھی وہ بھی مٹ گئی، یعنی اُن کے اکلوتے صاحبزادہ حامد نعمانی صاحب نے ۶۲ برس کی عمر میں ۲ ربیع الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۰ مارچ ۱۹۴۲ء کی شب کو جونپور میں دفعۃً وفات پائی، وہ کئی برس سے مرض قلب میں گرفتار تھے، علاجوں کے سہارے سے چلتے پھرتے تھے، مگر اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے، ۱۹ مارچ کو وہ ایک ضرورت سے جونپور گئے تھے شام کو پہنچے، اپنا کام کیا، رات کو ۳ بجے کے قریب دردِ دل کا دورہ ہوا، اُن کے میزبان دوست ان کے کراہنے کی آواز سنکر ان کے پاس آئے، مرحوم نے کہا کہ مجھے ذرا سہارا دے کر بٹھا دو، انھوں نے اپنے سینے کے سہارے سے بٹھا دیا، اسی کے ساتھ مرحوم نے ان کو السلام علیکم کہا، اور آخری سانس لیکر نامعلوم سفر کی منزل پر روانہ ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ۲۰ کی صبح کو لاش کار سے اعظم گڈہ آئی، اور شبلی منزل میں باپ کے پہلو میں بیٹے کو ہمیشہ کے لئے سلا دیا گیا،

مرحوم بڑے توانا و تندرست، قوی ہیکل، بلند و بالا، اور علی گڈہ کالج کے مشہور کھلاڑیوں میں تھے، گھوڑے کی سواری اور پولو میں بھی ممتاز تھے، تحصیلداری کے عہدہ پر فائز ہو کر پنشن پائی پھر ریاست مجھولی میں منیجر ہوئے، مگر صحت کی خرابی کے سبب سے مستعفی ہوگئے، پابند صوم و صلوٰۃ، نیکدل اور بہت رحیم المزاج تھے، اپنی ذاتی زندگی میں گو وہ بہت فارغ اور منتظم تھے، مگر اس طرح سے جو بچتا تھا اس کو ہمیشہ فیاضی کے ساتھ نیک کاموں میں لگا دیا کرتے تھے، ۱۹۲۶ء میں حج بھی کیا تھا، زکوٰۃ کا پورا حساب رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ اُن پر رحمت فرمائے اور اپنے

خزانہ سے ان کو اجر جزیل عطا کرے، مولانا شبلی مرحوم کی جو صاحبزادیاں تھیں وہ تو باپ کی زندگی ہی میں وفات پا چکی تھیں، ایک یہ فرزند تھے جو اب چل بسے،

افسوس کز قبیلۂ مجنوں کسے نماند

زمانہ کے حالات جس تیزی کے ساتھ بدل رہے ہیں، خوشی کی بات ہے کہ مسلمان اس سے بیخبر نہیں، معالجوں کی رایوں میں اختلاف ہو سکتا ہے، مگر مرض کی شدت اور نفس علاج کی ضرورت سے کسی کو انکار نہیں، قوم و ملت کے معالجوں کو دو حصوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے، ایک وہ جو مسلمان قوم کی سیاسی تنظیم کر کے اس کو برسرِ عروج لانا چاہتے ہیں، دوسرے وہ جو نام کے مسلمانوں کو پہلے کام کا مسلمان بنانا چاہتے ہیں، اور پھر ان کو استخلاف فی الارض کا مستحق ٹھہراتے ہیں، لیکن اس کے لئے ضرورت یہ ہے کہ اس پیام کے مبلغ اور رہبر پہلے خود کام کے مسلمان بنیں، کہ

خفتہ را خفتہ کے کند ہشیار!

سچ یہ ہے کہ اس سے پہلے کہ ہم دوسروں پر حکومت کریں، ہم کو خود اپنے نفس کے اوپر آپ حکومت کرنا چاہئے، حق کے پیام پر غیر متزلزل ایمان، احکامِ الٰہی پر بے چون و چرا عمل، حق کی راہ میں مجاہدانہ روح، ثباتِ قدم، عزمِ راسخ، حق کے لئے ایثار، اور ذاتی خود غرضیوں کا استیصال، کیونکہ دنیا کسی دعوت کو اس وقت تک قبول نہیں کرتی جبتک داعیوں کی جان و مال کا پورا امتحان نہیں لے لیتی اور دعوت کے حرفوں کو داعیوں کے خون کی روشنائی میں نہیں پڑھ لیتی، یہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصولِ فطری ہیں، جو نہ کبھی بدلے ہیں، اور نہ بدلیں گے،

ایک اور نکتہ کو بھی بھولنا نہیں چاہیئے، اسلام اور مسلمان ایک نہیں دو چیزیں ہیں، مسلمان آج ایک قوم کا نام پڑگیا ہے جس کے اسلاف پیام اسلام کے حامل اور تعلیم اسلام کے عامل تھے، انھوں نے دنیا پر فتح پائی، اور اپنی مفتوحہ دولت اپنے اخلاف کے سپرد کردی، زمانہ کے مرور سے یہ اخلاف یہ بھول گئے کہ یہ انعام اُن کے اسلاف کو ان کے خاص اوصاف کے صلہ میں ملا تھا جب تک وہ اوصاف رہے وہ انعام ان کے پاس رہا، اور جب وہ جاتے رہے تو ان کا یہ انعام بھی چھن گیا، اب اگر اس کے حصول کی پھر تمنا ہے تو پھر انھیں اوصاف کو حاصل کرنا ہے، مَا کَانَ اللّٰہ لیغیر ما بقوم حتی یغیروا مَا بِاَنفُسِھِم حکم ناطق ہے،

نادانی سے ہم لازم کو ملزوم اور ملزوم کو لازم سمجھتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ پہلے کسی طرح حقوق حاصل کرنے چاہئیں، پھر اس کے ساتھ سلطنت وحکومت کے اوصاف پیدا ہو جائیں گے، یہ خیال قطعاً غلط ہے، پہلے اوصاف حاصل کرو پھر اس کے نتیجوں کی امید رکھو، اگر ان اوصاف کے بغیر کوئی چیز ہم کو رعایت سے مل بھی تو وہ ہمارے پاس کبھی رہ نہیں سکتی،

لیکن ایک سوال اس سے بھی زیادہ دقیق ہے، فرض کر لیجئے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں مسلمانوں کی ایک سلطنت کا اضافہ ہوگیا تو کیا اس سے اسلام کا پیام زندہ ہو جائے گا، اس سے مسلمان پھر مسلمان ہو جائیں گے، زیادہ سے زیادہ جو خوش کن خواب نظر آسکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کو ایک ارض طویل وعریض عراق یا شام یا مصر مل جائے تو کیا اس سے اسلام کی بیکسی وغربت میں کچھ بھی کمی ہو سکتی ہے،

مقالات

کلمۃ اللہ

از

جناب مولوی محمد اویس صاحب ندوی نگرامی رفیق دار المصنفین

درس قرآن کے سلسلہ مین حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ نے لفظ "کلمۃ اللہ" کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا تھا، اس مضمون مین اسکو تفصیل کیساتھ بیان کرنیکی کوشش کیگئی ہے، جن کتابون سے مزید استفادہ کیا گیا ہے انکا حوالہ موجود ہے،

پیروان حضرت مسیح علیہ السلام حضرت مسیحؑ کو ایک خاص عقیدہ کے لحاظ سے خدا کا کلام کہتے ہین جس کی تفصیل یہ ہے کہ عیسائی الٰہیات خدا کو تین صفات سے مرکب مانتی ہے، جن کو اقانیم ثلاثہ کہا جاتا ہے (۱) اقنوم وجود (۲) اقنوم حیاۃ (۳) اقنوم علم، اقنوم علم ہی کو وہ خدا کا کلام کہتے ہین، ان کا خیال ہے کہ یہی کلام مسیح کے جسم سے متحد ہوگیا، گویا اس طرح لاہوت نے ناسوت کا جامہ پہن لیا، اور تین ایک ایک تین کا فلسفہ تکمیل کو پہنچا، [1]

کلام الٰہی کی اس کیفیت اتحاد مین عیسائی فرقون نے مختلف راہین اختیار کی ہین، یعقوبیون کا عقیدہ ہے کہ مسیح کی ذات خود خدا ہے، ملکانی کہتے ہین، حضرت مسیح اللہ کامل اور انسان دونون ہین، ان مین سے کوئی دوسرے سے الگ نہین، حضرت مریمؑ سے اللہ اور انسان

[1] ملل ونحل شہرستانی جلد ۲ بحث نصاریٰ،

دونون پیدا ہوے، نسطوری ملکانیون کے ہم مشرب ہین، لیکن وہ کہتے ہین، کہ حضرت مریم سے اللہ کی پیدایش نہیں ہوئی،[1] ایک جماعت ان تثلیث پرستون کی ہے، جوان اقانیم ثلاثہ کی الوہیت کے قائل ہین،

قرآن پاک مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت ہی،

وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ، (نساء)	اور اللہ کا کلمہ ہین، جس کو اللہ نے مریم تک پہونچایا،

دوسری جگہ ہی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کی طرف سے ایک "کلمہ" ہین، ان آیتون مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مین لفظ "کلمہ" دیکھ کر عیسائیون نے یہ سمجھا ہی کہ اسلام بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمہ انہی معنون مین کہتا ہے، جن معنون مین وہ حضرت عیسیٰؑ کو خدا کا کلام کہتے ہین، ذیل کے مضمون مین اسی غلطی کا ازالہ مقصود ہی،

کلمۃ اللہ اور فتنۂ خلق قرآن

عیسائیون نے مسلمانون کو اس لفظ سے ہمیشہ کسی نہ کسی فریب مین مبتلا کرنا چاہا ہی، چنانچہ عباسی عہد کے فتنۂ خلق قرآن مین بھی اسی لفظ کا تماشا نظر آرہا ہی، جسکی تفصیل یہ ہی کہ اہل سنت والجماعۃ کا عقیدہ ہے، کہ کلام اللہ غیر مخلوق ہی، نصاریٰ اس پر اعتراض کرتے تھے کہ جب کلام اللہ غیر مخلوق ہی تو مسیح جو "کلمۃ اللہ" ہین، وہ بھی غیر مخلوق ہین،[1] معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانون کی ایک جماعت کو کلام اللہ کے مخلوق ہونے پر جو اس قدر اصرار تھا وہ عیسائیون کے اسی اعتراض کی بنا پر تھا،

عجیب دلچسپ بات ہی کہ نصاریٰ کلمۃ اللہ کے لفظ سے حضرت مسیح علیہ السلام کے غیر مخلوق ہونے پر استدلال کرتے تھے، اور جہمیہ اسی لفظ سے قرآن کے مخلوق ہونے کو ثابت کرتے تھے، ان

[1] الجواب الصحیح ابن تیمیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰ مصر،

کا استدلال یہ تھا کہ قرآن نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا ہی اور حضرت عیسیٰ مخلوق ہین، نتیجہ یہ نکلا کہ کلام اللہ بھی مخلوق ہے،[1]

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے نصاریٰ اور جہمیہ دونون کے اقوال کو رد کیا ہی، وہ فرماتے ہین کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف جن امور کا انتساب کیا جاتا ہی، ان کا انتساب قرآن کی طرف ممکن نہین، حضرت عیسیٰؑ بچہ تھے، جوان ہوئے، کھاتے تھے، پیتے تھے، امر و نہی کے مخاطب تھے، حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی اولاد مین سے تھے، پھر کیا قرآن پاک کے متعلق بھی اس قسم کے امور کی نسبت ممکن ہی؟

مطلب یہ ہوا کہ قرآن پاک اور حضرت عیسیٰؑ کو ایک دوسرے پر قیاس کرنا درست نہین ہی، اب رہا قرآن کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ" کہنا، تو اس کا یہ مطلب ہی، کہ وہ اللہ کے کلمہ (کن) سے پیدا ہوئے نہ یہ کہ وہ خود کلمہ تھے، امام صاحب کے الفاظ یہ ہین :-

لکنّ المعنی فی قول الله "انّما	اللہ تعالیٰ کے قول انّما المسیح عیسی
المسیح عیسی ابن مریم رسول	ابن مریم رسول اللہ وکلمتہ مین کلمہ
الله وکلمته" فالکلمة التی	وہ ہی جس کو اللہ نے مریم تک پہونچایا، جبکہ
القاها الی مریم حین قال کن	کہا کہ "کن" (ہوجا) پس عیسیٰ "کن" سے ہوگئے
فکان عیسی بکن ولیس عیسی	عیسیٰ "کن" نہین ہین، بلکہ وہ "کن" سے

[1] کتاب الرد علی الجہمیہ امام احمد بن حنبل ص ۲۱۸، بر حاشیہ جامع البیان فی تفسیر القرآن للشیخ السید معین الدین ابن الشیخ صفی الدینؒ مطبوعہ دہلی،

ھو کن، ولکن بکن کان فالکن
من قول اللہ ولیس کن مخلوقا
وکذبت النصاری والجھمیۃ
علی اللہ تعالیٰ فی امر عیسیٰ و
ذلک ان الجھمیۃ قالوا روح
اللہ وکلمتہ الا ان کلمتہ
مخلوقۃ قالت النصاری عیسیٰ
روح اللہ من ذات اللہ کما
یقال ان ھذہ الخرقۃ من ھذا
الثوب قلنا نحن ان عیسیٰ بالکلمۃ
کان ولیس ھو الکلمۃ وانما
الکلمۃ قول اللہ قولہ وروح
منہ یقول من امرہ کان الروح
فیہ کقولہ (وسخر لکم ما فی السمٰوات
والارض جمیعا منہ) یقول من امرہ
وتفسیر روح اللہ انما معناہ روح
بکلمۃ اللہ خلقھا کما یقال عبد اللہ
وسماء اللہ وارض اللہ،
(الرد علی الجھمیہ ص ۲۱۷)

کن اللہ کا قول ہے اور کن
مخلوق نہین ہے، نصاریٰ اور جہمیہ نے
حضرت عیسیٰؑ کے بارہ مین خدا پر جھوٹ
کہا ہے، جہمیہ کہتے ہین، کہ وہ اللہ کے
روح اور اس کے کلمہ ہین، اور اس کا
کلمہ مخلوق ہے، نصاریٰ کہتے ہین کہ حضرت
عیسیٰ اللہ کی روح ہین، اور اللہ کی ذات
مین سے ہین، جسطرح کہا جاتا ہے کہ یہ ٹکڑا اس
کپڑے مین سے ہے، ہم کہتے ہین کہ عیسیٰ کلمہ سے
ہوئے ہین، وہ خود کلمہ نہین ہین اور کلمہ تو
اللہ کا قول ہے،
اور خدا کا قول کہ عیسیٰ "روح من اللہ" ہے
(روح منہ) کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے حکم سے
ان مین روح آگئی، یہ مطلب ہے کہ وہ خود
اللہ کی روح ہین جیسے خدا کا قول ہے (تمہارے
کام مین لگا یا ہے جو زمین اور آسمانون مین
ہر اپنی سی "اپنی سے (یعنی منہ) مقصود اپنے حکم سے
ہے اور اللہ کی روح ہونے کے معنی یہ ہین کہ وہ روح
ہین جسکو خدا نے اپنے حکم سے پیدا کیا، جیسے کہا جاتا ہے

[illegible]

بہرحال اس مسئلہ سے عیسائیون کو اس قدر دلچسپی تھی، کہ ایک شخص ابن کلاب جو مسلمانون مین کلابیہ فرقہ کا بانی ہوا ہے، اور جو کہا کرتا تھا کہ کلام اللہ خود اللہ ہے، اس کے مرنے پر بغداد کا بڑا پادری فیثون نصرانی افسوس کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ اگر یہ زندہ رہتا تو ہم مسلمانون کو عیسائی بنا لیتے، ابن کلاب کے اسی قول کی بنا پر اس وقت کے علماء نے اس کے نصرانی ہو جانے کا فتویٰ دے دیا تھا،[1]

کلمہ قرآن پاک مین | قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے تین جگہ کلمہ کا لفظ استعمال کیا ہے،

(۱) آل عمران مین حضرت زکریا علیہ السلام کو حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی گئی تو فرمایا :-

ان اللہ یبشرک بیحییٰ مصدقا — اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتا ہے،
بکلمۃ من اللہ، — یحییٰ کی جو تصدیق کرنے والے ہون گے،
(رکوع ۴) — اوس کلمہ کی جو اللہ کی طرف سے ہوگا،

(۲) سورۂ نساء مین حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق عیسائیون کی غلط فہمی دور کرتے ہوے فرمایا،

انما المسیح عیسیٰ ابن مریم — مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے صرف رسول
رسول اللہ وکلمتہ القاھا — ہین، اور اللہ کے کلمہ ہین، جس کو اللہ
الیٰ مریم (رکوع ۲۳) — نے مریم تک پہونچایا،

(۳) آل عمران کے پانچوین رکوع مین حضرت مریمؑ کو خوش خبری دی گئی،

ان اللہ یبشرک بکلمۃ — بیشک اللہ تم کو ایک کلمہ کی جو اسکی
منہ، — جانب سے ہوگا بشارت دیتا ہے،

[1] فہرست ابن ندیم ص ۲۵۵،

لیکن تحقیق طلب امر یہ ہے کہ قرآن نے حضرت عیسیٰؑ کو ایک جگہ اللہ کا کلمہ، اور دو جگہ اللہ کی طرف سے کلمہ جو کہا ہے، اس کا کیا مفہوم ہے، کیا وہی جو عیسائیون کا عقیدہ ہے!

حقیقت یہ ہے کہ عیسائیون نے کلمۃ اللہ" کا جو مفہوم پیش کیا ہے، خود اصل دین عیسوی بھی اس سے بری ہے، کوئی سچا دین کفر کی تعلیم نہین دیسکتا ہے، عیسائیون نے کلمۃ اللہ" کے تحت مین جتنے عقیدے پیدا کئے ہین وہ سب کے سب مصر اور یونان کے بُت پرست فلاسفہ سے ماخوذ اور توحید کے خلاف ہین،

قرآن پاک نے ان مین سے ہر عقیدہ کی تردید کی ہے،

یعقوبیون کے لئے کہا،

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (مائدہ)	وہ کافر ہین جو کہتے ہین، کہ مسیح ابن مریم خدا ہین،

نسطوریون اور ملکانیون کے متعلق ارشاد ہوا،

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (مائدہ)	وہ کافر ہین جو کہتے ہین، کہ خدا تین مین کا تیسرا ہے!

تثلیث پرستون کے لئے عام طور پر فرمایا،

إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ (نساء)	مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح صرف خدا کے رسول تھے، اور اس کے "کلمہ" جس کو مریم تک اوس نے پہونچایا، اور اسکی طرف سے ایک بھیجی ہوئی روح تھے، پس خدا اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ اور تین خدا نہ کہو

یادپاستان

از

جناب مولوی مقبول احمد صاحب صمدنی

(۴)

اب ایک نیا گورنر سخت مزاج، سخت گیر، تجربہ کار، صاحبِ تدبیر مع لشکرِ کثیر کشمیر پہنچتا ہے، جو فتنہ پردازون کے سرخیل مُلا شرف الدین اور اُس کے مُعاونین و رُفقا کو کمالِ احتیاط، حزم و دانشمندی سے گرفتار کرلیتا ہی، امن و امان قائم کرتا ہے، یہان کے مصائب و مصاعب پورے ڈیڑھ سال بعد رخصت ہوتے ہین، اذیت رسانی و دست درازی عارضی طور پر دور ہوجاتی ہے، خود مسلمان مؤرخون کو تسلیم ہے، کہ اس کا اثر بیچارے ہندوؤن پر خاص کرتھا، باوجودیکہ ان کی جماعت وکثرت تھی، مگر اس عرصہ مین نہ وہ پگڑی باندہ سکتے تھے، نہ اچھی پوشاک پہننے پاتے تھے، گھوڑا میسر تھا، مگر سواری سے محروم تھے، اب لباس و سواری کی اجازت ازسرنو ملی، مفسدون کی تنبیہ اور گوشمالی قرار واقعی عمل مین آئی،

آپ اسکو افسانۂ غم نہ سمجھین، یہ دو ہم وطن و ہم سایہ قومون کے افتراق و انشقاق کی دردناک روداد ہے، مین نے اس کو تفصیل سے نہین، اختصار و ایجاز ہی سے لکھا ہے، ہمارے وہ سیاسی لیڈر جو قومی و نسلی تعصبات مین خود غرق اور اختلافات کی آگ پھیلانے مین پیش پیش ہین، اور ہندو مسلمانون کی فریقانہ مخاصمت کو اپنی (خود قومی رہنماؤن کی) فتنہ پردازی و شعبدہ بازی سے

منسوب نہین ہوتے دیتے، بلکہ ایک بیگانہ حکمران قوم (انگریزون) کے سر تھوپتے ہین، ہن لین
اور جان لین کہ دو ڈھائی سو برس پہلے آپ کے باہمی تعلقات اور قومی روابط کیسے رہتے تھے
اس کا دوش (الزام) کس کے دوش (کندھون) پر رکھو گے،

مفتوح ممالک مین، مغلوب اقوام و باشندگان کو فتح مند طبقون کی دست درازی اور ستم طرازی
کی شکایت بالعموم رہی ہے، پانچ سات ہزار برس کے بنی نوع آدم کی آبادی کے دفاتر یعنی
سارے عالم کی تاریخون مین اس کلیہ سے استثناء کی ایک نظیر بھی نہین ملتی، ان جفاکیشیون اور
دغاکوشیون سے بیچارے کشمیری کیسے محفوظ رہ سکتے تھے، ہندو مسلمانون کے مناقشات و منافرات
صدیون تک دامِ گردن اور استخوان شکن رہے ہین، خون کی ندیان مسلسل قرنون تک بہائی گئی
ہین، مگر اپنے ہی ہاتھون سے اپنے ہی افعال و اعمال کی بدولت مسلمان فرمانرواؤن اور سلاطین
کے دامن اس داغ سے پاک رہے ہین، میرا مقصودِ گذارش صرف سلاطین و والیانِ کشمیر کا ابراء
ہے، ان کے اعمال اور کارکنون کے افعال سے بحث نہین،

ہماری نہین، اغیار کی تاریخون کو ملاحظہ فرمائیے، مسلمانون نے عالم عالم فتوحات کی تھین
صدیون تک ان کا قدم جہان گیری و جہانداری، اشاعتِ دین اور احیاے ملّت کی راہ مین
تیز اور استوار رہا ہے، فتحِ ممالک کیساتھ ساتھ ان کی اولوالعزمیان بڑھتی چلی جاتی تھین، ایسے
حالات مین جن ناپسندیدہ تعلقات، ناشایستہ حرکات اور ناگوار شکایات کا ارتکاب ایک فریق
دوسرے کے ذمہ عائد کرتا ہے، مسلمانون کی مظفر و منصور جماعتون کی نسبت بھی پیدا ہو جانا
چاہئے تھا، مگر اہلِ نظر کو حیرت ہوتی ہے، کہ ان کے کردار پر کل دو ہی دھبّے لگائے گئے ہین،
ایک بتون اور بت خانون کا توڑنا، دوسرے کتابخانون کا جلا دینا،

پہلی بات مین اسی قدر سچائی ہے جتنی اس متعارف کلیہ مین کہ اسلام بت پرستی ہی کے

استیصال کے لئے اترا ہے، پانچ چھ ہزار برس ہوئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس تیرہ و تار
کرۂ ارض کو اپنے مبارک و مسعود قدمون سے موزون و روشن فرمایا، اور اسی وقت سے اپنے
مذہب حقہ اور اپنے عقائد و توحید کی اشاعت شروع کر دی تھی، نواہی و اوامر کا اعلان فرمایا
تھا، جب خدا کا آخرین رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوا، تو اوس ہادیِ بنی نوع آدم نے
بھی یہی تلقین و تعلیم جاری فرمائی، پتھر اور مٹی کے لکڑی کے، اور کہین کہین ملے تو قیمتی جواہرات
اور سونے چاندی کے خود ساختہ معبود بھی نیست و نابود کر دیئے گئے، مکہ اور اس کے مضافات
مین ان کا زور و شور بہت تھا، اس لئے یہ قدم پہلے اسی طرف اٹھا، خدا کی شان لوہا لوہے کو
کاٹتا ہے، بُت پرست بھی عرب تھے، اور بُت شکن بھی عرب، پہلے گروہ کی جماعت و قوت زبردست
اور غالب تھی، بایدکہ مزاحمتین بھی ہوئین حسبِ ضرورت جارحانہ یا مدافعانہ حملے بھی اس سلسلہ
مین ہوئے خونریزیان بھی ہوئین، مگر ان کی حقیقت، وسعت اور سنگینی اس سے زیادہ نہ تھی جیسے
ہمارے زمانہ اور ہمارے ملک مین اصطلاحی فرقہ وارانہ فسادات "یاکمیونل ڈسٹربینس" ہر محرم
اور ہر دسہرہ کے منانے پر ہوتے رہتے ہین، ہندوستان جنت نشان بہار بہ دامان بقرعید کے
تیوہار پر اسی گاؤکشی یا گاؤپرستی کی بدولت خدا کی بے گناہ مخلوق مین سے متنفسون کو ذبح
کرادیتا ہے، کیا یہ حقیقت قابلِ انکار ہے؟

رہا بُت خانون کا توڑنا، دنیا کا سب سے پرانا اور مشہور بُت خانہ کعبہ، تو آپ کی آنکھون کے
سامنے موجود ہے، مسلمان فاتحین کے غیظ و غضب اور تاخت و تاراج سے محفوظ رہا، بتون سے
خالی کرا دینے کے بعد مسلمانون نے اسکی ہیئت اور وضعِ عمارت مین بھی کوئی فرق نہین آنے دیا،
اُس کی عظمت و بزرگی قائم رکھی، اور اس کی تقدیس و حرمت برقرار، حتی کہ عجم کے ایک گوشہ
سے یہ صدا بلند ہوئی،

بہ بین کرامتِ بت خانہ مرا اے شیخ! کہ چون خراب شود خانہ خدا گردد

ہندوستان کے بگاڑے ہوے معابد مین ہمارے اہلِ قلم سب سے پہلے سومنات کا نام لکھتے ہین، اور توڑنے والون مین محمود غزنوی کا، لیکن اس صدی کے محققین اور اُن کے نتائجِ اکتشاف و تحریرات بتاتے ہین، کہ یہ محض افسانہ و افسون اور اندازِ نگارش و انشا ہے، محمود نے جو کچھ کیا اور جہان کہین کیا، اپنی طاقت و قوت کی نمایش، زر و مال کے جمع و استحصال کے لئے کیا تھا، اُسے ہاتھیون کے اکٹھا کرنے کا شوق بھی پیدا ہو گیا تھا، خدا شناسی، دینداری، اشاعتِ مذہب اعلائے کلمۃ الحق کا کچھ حصہ اس مین ضرور تھا، مگر کم تھا، اور وہ بھی محض مصالحِ وقت "تدابیر سلطنت رانی" کے اقتضا سے سبکتگین کے بیٹے کو ملک گیری کی ہوس بے شبہہ تھی، لیکن وہ کشور کشائیون کے ساتھ اپنے وسیع مفتوحات پر قبض و تسلط رکھنے مین کمزور ثابت ہوا، آپ چاہین تو اس کو بے نیازی و بے پروائی پر محمول کر سکتے ہین، فردوسی کے سوا ہمارے اکثر ذہین و طبّاع شاعرون نے اسکو جس رنگ مین دکھانا چاہا ہے وہ اسکے اصلی رنگ سے جدا ہے، گذشتہ ایک ہزار برس کی تاریخی رفتار اور روز افزون ترقیون نے ان حضرات کی شوخ نگاری کا پردہ اٹھا دیا ہے، یہ قولِ فیصل غیر ممالک اور غیر اقوام کے دیدہ ور اور ہوشمند محققین کا ہے، سومناتھ اور محمود کے وجود سے کسکو انکار ہو سکتا ہے، صرف بُت شکنی کے قصّے اور خدا واسطے بلند بانگی کی جو داستانین مشہور کر دیگئی ہین ان کو حرف بحرف سچا ماننے مین اکثر اہلِ علم کو تامل ہے، بعض تو قطعاً باور نہین کرتے، اور شاعرانہ داستان سرائی سے زیادہ اوس کو وقعت نہین دیتے ہین،[1] ظاہر ہے کہ ہندوستان کے سوا جدھر

[1] ہمارے عاشق مزاج پارسا خیال، پاکباز سخنور اپنی ہی دُھن مین مگن ہین، غزنوی غازی کو منزلِ مقصود تک پہونچنے بھی نہین دیتے، وہ اس فردوسی دنیا کے سومنات کو اپنی شاعری، اپنے عشق، اپنے دل کے سومنات اور اسکے صنم خانہ کے خرابہ پر نثار کرتے رہتے ہین، حزین اصفہانی کا قول یاد ہے،

عیسائی کلمۃ اللہ کی تاریخ اس قسم کے تمام عقائد باطلہ جنھون نے دین عیسوی کو مسخ کر دیا، ان کے متعلق حافظ ابن قیم نے اغاثۃ اللہفان (ص ۲، ۲۷۳) مین بہت معقول بات کہی ہے وہ یہ کہ عیسائیون نے جب اپنے صحیح دین کو کھو دیا، اور دوسرے مذاہب نیز اہلِ فلسفہ کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو عیسوی مسائل مین ایسی لچک پیدا کرنا شروع کر دی کہ ہر مذہب و مسلک کے لوگ ان کے دین مین گنجایش پا سکین، چنانچہ انھون نے اہلِ فلسفہ کو دیکھا کہ وہ عقل، عاقل اور معقول کے اتحاد کے قائل ہین، تو انھون نے بھی باپ، بیٹے اور روح القدس کا نقشہ یونہی کھینچ لیا،

حافظ ابن قیم نے "اتحاد ثلاثہ" کے جس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اُس سے عقیدۂ کلمہ کی تاریخی حیثیت آشکارا ہوتی ہے، اس لئے اس کی کسی قدر وضاحت کی ضرورت ہے!

جس طرح اہلِ مذہب عبد و معبود کے درمیان فرشتون، دیوتاؤن اور ارواح کی وسائط کو مانتے ہین، جن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تدبیر عالم کا کام لیتا ہے، اُسی طرح اہلِ فلسفہ مین اس قسم کا تخیل موجود ہے، گو مسلمانون کے سوا دوسری فرقون نے اس سلسلہ مین سخت دھوکا کھایا ہے، اور انھون نے ان وسائط کو معبود بنا لیا ہے!

اہلِ مذہب مین صابئی ان ہستیون کو ستارون کی صورت مین مانتے ہین، پارسی امشاسپند کہتے ہین، یہودی کروبیم کہتے ہین، عیسائی جبرئیل اور روح القدس کے نام سے تعبیر کرتے ہین، ہندو دیوتا اور دیبی کی شکل مین جانتے ہین اور اہلِ عرب خدا کی بیٹیان کہا کرتے تھے،[1]

مصری اسکندری فلسفہ بھی اسی تصور کے ماتحت عقول عشرہ، اور نو آسمانون مین الگ ذی ارادہ نفوس تسلیم کرتا ہے!

[1] سیرۃ النبی جلد ۴ ص ۵۵۵،

ابن کثیر اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ (جلد ۲ ص ۷۱) مین کہتے ہین کہ قرآن پاک کی آیت

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ	اور یہودیون (مین سے بعض) نے کہا کہ
النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ	عزیر خدا کے بیٹے ہین، اور نصاریٰ (مین
قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ	سے اکثر) نے کہا کہ مسیح خدا کے بیٹے ہین
قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ،	یہ ان کا قول ہے منہ سے کہنے کا،!
(توبہ - ۵)	یہ بھی ان لوگون کی سی باتین کرنے لگے
	جو ان سے پہلے کافر ہو چکے ہین،

مین (قول الذین کفروا من قبل) سے اہلِ فلسفہ کے اسی تخیل کی طرف اشارہ ہے،

خالص یونانی فلسفہ نے بھی لوگس (Logos) کے نام سے ایک اوّلین ہستی کو تسلیم کیا ہے، جس کو خدا نے تمام کائنات کی پیدائش کا ذریعہ بنایا ہے، اسی کو اہلِ فلسفہ "عقل اول" سے تعبیر کرتے ہین،

عیسائی اپنے دین مین اہلِ فلسفہ کے لئے کوئی گنجایش نکالنا ہی چاہتے تھے، انہون نے اسی لوگس کے تخیل کو اپنے یہان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چسپان کرکے بت پرست یونانی فلسفیون کو دین عیسوی مین شامل کرنے کی کوشش کی! لیکن اس اندھی تبلیغ مین وہ خود گمراہ ہوگئے!

حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا مین خدا کے بندے اور رسول کی حیثیت سے آئے تھے لیکن عیسائیون کی فلسفہ پرستی نے ان کو عقل اول کی تقلید مین کبھی خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ بنایا، کبھی خدا بنایا اور کبھی بہ یک وقت دونون بنا دیا،

یونانی فلسفہ مین لوگس کیا چیز ہے، اس کو ڈاکٹر ولیم نیسل کی زبان سے سنئے وہ کہتا ہے

"اس بات کو سمجھنے کے لئے کہ خدا بالکل ورائے عالم ہونے کے باوجود اس کے اندر کس طرح عمل کرتا ہے، فائلو[5] ایک مفروضہ قائم کرتا ہے، جس سے اس زمانہ کے دوسرے لوگ بھی ناواقف نہین تھے، لیکن جس کو فلاطینوس سے پیشتر فائلو سے زیادہ منظم طور پر کسی نے نہیں پیش کیا، یہ وہ مفروضہ ہے کہ خدا اور عالم کے درمیان واسطی ہستیان پائی جاتی ہین، ان ہستیون کے مزید تعین کے لئے اس نے ملائکہ اور جنات کی نسبت مروجہ عقائد اور روح کی نسبت افلاطون کے بیانات کے علاوہ اس رواقی تعلیم سے بھی لیا، کہ خدا کی ہستی سے روحی اخراجات تمام عالم مین حلول کئے ہین، ان واسطی ہستیون کو وہ قوی یا ملکات کہتے ہین، ایک طرف ان کو صفاتِ الٰہیہ یا افکار الٰہیہ قرار دیتا ہے، جو عقل کل اور قوتِ کل کے اجزا ہین، دوسری طرف ان کو خدا کے بندے اور پیامبر کہتا ہے، اور انھین ارواح، ملائکہ اور جنات قرار دیتا ہے، جو خدا کے ارادے کے مطابق عمل کرتے ہین،

ان دو اندازہائے بیان مین موافقت پیدا کرنا اور اس بات کا جواب دینا کہ یہ قوتین شخصیت رکھتی ہین یا نہین، اس کے لئے ممکن نہ تھا، یہ تمام قوتین ایک واحد قوت کے اندر پائی جاتی ہین جو لوغوس ہے، لوغوس خدا اور عالم کے درمیان ایک واسطہ کلی ہے، وہ تمام تصورات کا ماخذ اور خدا کی عقل و حکمت ہے، وہ تمام قوتون کو شامل ہے، وہ خدا کا خلیفہ اور اس کا رسول ہے، عالم کی خلقت اور

[5] ڈاکٹر توفیق صدقی اپنی کتاب نظرۃ فی کتب العھد الجدید میں کہتے ہین کہ فائلو اپنے پیشرو یونانی فلسفی زینو کا بڑا مداح تھا، اور زینو لوگس کے عقیدہ کا زبردست مبلغ تھا،

حکومت اسی کے ذریعہ سے ہوتی ہے، وہ سب سے بڑا فرشتہ اور خدا کا سب سے پہلا بیٹا ہے، جسے خدائے ثانی بھی کہہ سکتے ہین، لوغوس یا کلمہ عالم کا اصلی نمونہ ہو جس نے کائنات کو بہ طور ایک پیراہن کے پہن لیا ہو۔[۵۱]

فلسفۂ یونان کا یہ لوگس عیسائیون کے یہان یوحنا کی انجیل مین اس طرح ظاہر ہوا،

"ابتدا مین کلام تھا، اور کلام خدا کے ساتھ تھا، سب چیزین اس سے موجود ہوئین، اور کوئی چیز موجود نہ تھی، جو بغیر اس کے ہوئی، (یوحنا ۱)

عیسائیون نے اہل فلسفہ کی طرح جب مسلمانون کو اپنے دام مین لانا چاہا، تو لوگس کے اسی تخیل کو قرآنی لفظ "کلمۃ اللہ" کے ذریعہ سے ادا کرنا چاہا کہ شاید ابن کلاب جیسے کچھ اور لوگ بھی ان کے ہاتھ آجائین، یہ ہے عیسائی کلمۃ اللہ کی تاریخ!

قرآن مین کلمۃ اللہ کا مفہوم اب دیکھنا چاہیے کہ قرآن پاک نے "کلمہ" کو کس معنی مین استعمال کیا ہے!

قرآن پاک نے کلمہ کا اطلاق ایک "قول تام" پر کیا ہے[۵۲] یہ قول تام کہین صرف بات کے معنی مین ہے، ارشاد ہوا،

(۱) وَيُنْذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (کہف ۱)

اور تاکہ ان لوگون کو ڈرائے جو یون کہتے ہین، کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے، تو اسکی کوئی دلیل ان کے پاس نہین ہو بڑی بھاری بات ہے جو انکے منہ سے نکلتی ہے

[۵۱] مختصر تاریخ فلسفۂ یونان ص ۲۶۹ دارالترجمہ [۵۲] الجواب الصحیح ابن تیمیہ جلد ۲ ص ۱۶، الرد علی المنطقیین ابن تیمیہ ص ۲۲ قلمی،

اس آیت مین قرآن نے قول (اتخذ اللہ ولدًا) کو کلمہ کہا،

(۲) قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ (آل عمران)

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمھارے درمیان مسلم ہونے مین برابر ہے، کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کی عبادت نہ کرین، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائین، اور ہم مین سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے

اس آیت مین یہ پوری بات (أَنْ لَا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ الخ) کلمہ ہے،

(۳) حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا، (مومنون-۶)

یہان تک کہ جب اُن مین سے کسی پر موت آتی ہے، اسوقت کہتا ہے اے میرے رب مجھ کو پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس کو مین چھوڑ رہا ہون، اس مین نیک کام کرون، ہرگز نہین، یہ ایک ہی بات ہے، جس کو یہ

یہان قول (رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ) کلمہ ہے،

لفظ کلمہ کے دوسرے معنی "طے شدہ بات" اور "امر مقدر" کے ہین، یعنی وہ بات جو علم الٰہی مین پہلے طے ہو چکی ہے، آیات ذیل اسکی شاہد ہین،

(۱) وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا

اور ہمارے خاص بندون یعنی پیغمبرون

المرسلین انھم لھم المنصورون وان جندنا لھم الغالبون، (صافات ۵)

کیلئے ہماری بات پہلے ہی سے مقرر ہوچکی ہے، کہ بیشک وہی غالب کئے جائین گے، اور ہمارا ہی لشکر غالب

معلوم ہوا کہ یہ بات کہ پیغمبرون کو کامیابی اور خداوندی لشکر کو غلبہ ہوگا، پیشتر ہی اس کا فیصلہ ہوچکا ہے، اسی کو (سبقت کلمتنا) سے ادا فرمایا،

(۲) کذلک حقت کلمۃ ربک علی الذین کفروا انھم اصحاب النار، (مومن)

اسی طرح تمام کافرون پر آپکے رب کی یہ بات ثابت ہوچکی ہے، کہ وہ لوگ دوزخی ہون گے،

یعنی کافرون کا دوزخی ہونا اللہ کے نزدیک ایک امر ثابت ہے، اس امر ثابت کیلئے حقت کلمۃ ربک ارشاد فرمایا،

(۳) واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض ومغاربھا التی بارکنا فیھا وتمت کلمۃ ربک الحسنی علی بنی اسرائیل، (اعراف - ۱۶)

اور ہم نے ان لوگون کو جو بالکل کمزور شمار کئے جاتے تھے، اس سرزمین کے پورب اور پچھم کا مالک بنا دیا جس مین ہم نے برکت رکھی ہے، اور آپکے رب کی بھلی بات بنی اسرائیل کے حق مین انکے صبر کی وجہ سے پوری ہوگئی،

گویا بنی اسرائیل کا صبر کے باعث مصریون کے مقابلہ مین کامیاب ہونا اور زمین کا وارث بننا خدا کے نزدیک ایک ہونے والی بات تھی، جو ہوکر رہی، اسی کو تمت کلمۃ ربک الحسنی سے ظاہر فرمایا،

اہل فسق اپنے تمرد اور سرکشی کی وجہ سے ایمان نہ لائین گے، یہ بات خدا کے نزدیک مسلم ہے، اسی امر کو حقت کلمۃ ربک سے یون ادا کیا،

(۴) کذلک حقت کلمۃ ربک علی الذین فسقوا انھم لا یومنون (یونس ۴)

اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازلی) بات کہ ایمان نہ لائین گے، تمام سرکش لوگون کے حق مین ثابت ہوچکی ہے،

ان تمام تشریحات کے بعد قرآن پاک کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "کلمۃ اللہ" کہنے کا مقصد واضح ہوجاتا ہے یعنی بغیر باپ کے پیدا ہونا علم الٰہی مین ایک طے شدہ بات تھی،

اسی طے شدہ بات کو قرآن پاک نے (امر مقضی) کہہ کر بالکل صاف کردیا ہے فرمایا،

قالت انی یکون لی غلام ولم یمسسنی بشر ولم اک بغیا قال کذلک قال ربک ھو علی ھین ولنجعلہ آیۃ للناس ورحمۃ منا وکان امرا مقضیا (مریم ۲)

(حضرت مریم) کہنے لگین بھلا میرے لڑکا کس طرح ہوگا، حالانکہ مجھکو کسی بشر نے ہاتھ نہین لگایا، اور نہ مین بدکار ہون، فرشتہ نے کہا یون ہی ہوجائیگا، تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ یہ بات مجھ کو آسان ہے اور اس طور پر اس لئے پیدا کرین گے) تاکہ اس فرزند کو ہم لوگون کے لئے ایک نشانی اور رحمت کا سبب بنائین، اور یہ ایک طے شدہ بات ہے

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ قرآن کی اصطلاح مین حضرت عیسیٰ علیہ السلام "کلمۃ اللہ" اس لئے ہوئے کہ ان کا اس طرح پیدا ہونا ایک امر مقدر اور طے شدہ بات تھی،

کلمۃ اللہ اور بائبل | بائبل کے عربی تراجم مین بھی ایسی آیات موجود ہین جن مین کلمہ کا وہی مفہوم ہے

جو قرآن کا مفہوم ہے یعنی کلمہ بمعنی بات، حکم اور امر مقدر،

چند مثالیں ملاحظہ ہون،

(۱) مزمور الثالث والعشرون آیت ۶،

بکلمۃ الرب صُنعت السموات	خدا کے کلمہ سے آسمان بنے،

(۲) اخبار الایام الاول باب ۱۷، آیت ۳

حلّت کلمۃ اللہ علی ناثان النبی	خدا کا کلمہ ناثان نبی کے پاس پہونچا،

(۳) کتاب ہوسیع باب اوّل،

کلمۃ الربّ التی صارت الی ہوسیع	خدا کا کلمہ جو ہوسیع کے پاس پہونچا

(۴) لوقا باب ۳، آیت ۳۱،

حلّت کلمۃ الرّب علی یُوحنّا بنِ زکریّا،	خدا کا کلمہ یوحنا بن زکریا کے پاس پہنچا،

کلمۃ اللہ اور کلمۂ تکوین اس سلسلہ مین یہ امر بھی ذہن نشین کر لینے کے قابل ہے کہ مفسرین عموماً کہتے ہین، کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدایش کلمۂ تکوین یعنی کُن (ہو جا) سے ہوئی، جس طرح سارے عالم کی تکوین اسی کُن (ہو جا) کے حکم سے ہوئی ہے،

اذا قضیٰ امرًا فانّما یقول لہٗ کُنْ فیکُوْن (مریم ۲)	جب کسی کام کو پورا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے،

اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ "کہے گئے"،

اس سے معلوم ہوا کہ کلمۃ اللہ وہی امر مقدر ہے، اور کلمہ تکوین اس امر مقدر مین تصرف کے لئے تعبیر ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی کلمۂ تکوین کو عالم مین تصرف ارادی

سے تعبیر کیا ہے[۱]

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا کلمہ اس لئے نہین کہا ہے، کہ وہ خدا کی صفت کلام ہین، جو ذات الٰہی کے ساتھ قائم ہے، یا ذاتِ الٰہی مین ہین، یا ذاتِ الٰہی ہین، جیسا کہ عیسائیون کا بیان ہے، بلکہ اس لئے کہا ہے کہ جس طرح وہ حضرت مریمؑ کے پیٹ سے مستثنیٰ شکل مین پیدا ہوے، یہ پیدایش اللہ تعالیٰ کا امر مقدر تھا، جس کا ظہور حکم الٰہی سے ہوا،

سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدایش کو اللہ تعالیٰ نے خاص طور سے اپنا امر مقدر یا طے شدہ یا بحکم الٰہی ان کی پیدایش کیون بتایا اور انکی روحِ حیات کو اپنی طرف کیون منسوب کیا، اس کا جواب یہ ہے کہ یہود حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السّلام پر جو الزام لگاتے تھے کہ حضرت مریم (نعوذ باللہ منہ) مرتکب حرام ہوئی تھین، اور حضرت عیسیٰ نعوذ باللہ ولد الحرام تھے اس الزام کو دور فرما کر دونون کی پاکی اور طہارت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی پیدایش کے طریق کو اپنا حکم تقدیری اور اپنی جانب سے بخشی ہوئی روح زندگی فرمایا، اور حضرت مریمؑ کی نسبت ارشاد فرمایا،

وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَہَا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ، (تحریم ۲)	اور مریم عمران کی بیٹی جس نے اپنی شرمگاہ کی محافظت کی، پس پھونکا ہم نے اس مین اپنی روح سے، اور مانتی تھی اپنے رب کی باتون کو اور اس کی کتابون کو، اور تھی فرمانبردارون مین

[۱] فوز الکبیر بحث شرک۔

مشاعرۂ نمایش اعظم گڈہ

کا

خطبۂ صدارت

از مولانا عبد السلام صاحب ندوی

افسانۂ یارانِ کہن خواندم و رفتم   دریاب کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

حضرات! آپ کو معلوم ہو کہ یہ مشاعرہ اوس سرزمین پر ہو رہا ہو جس نے علامہ شبلی، مولانا حمید الدین اور مولانا فاروق جیسے ادیب و انشا پرداز اور نقادانِ فنِ شعر پیدا کئے ہین، اور اس سرزمین کی اسی علمی حیثیت کو پیشِ نظر رکھکر یہان دار المصنفین قائم کیا گیا ہے، جس کی علمی عظمت و شان سے آپ لوگ واقف ہین؛ ایسی حالت مین اگر اس مشاعرہ کو صرف تفریحی حیثیت دیدی گئی تو یہ اس سرزمین بلکہ اس سرزمین پر ہونے والے مشاعرہ کی سب سے بڑی توہین ہو گی، اسلئے دار المصنفین کے ادنی خادم ہونے کی حیثیت سے مولوی بشیر احمد صاحب صدیقی صدر مشاعرہ کمیٹی نے مجھ سے یہ خواہش کی ہے، کہ مین اپنے خطبۂ صدارت مین اردو غزلگوئی پر ایک مختصر سا تاریخی اور تنقیدی تبصرہ کر دون، اگر میں اس خواہش کے پورا کرنے مین کامیاب ہو گیا تو یہ میرے لئے باعث اعزاز اور آپ لوگون کے لئے موجبِ دلچسپی ہو گا، مین جانتا ہون کہ جو لوگ شعرا کی نغمہ سنجیون سے لطف اندوز ہونے کے لئے بیقرار ہین، وہ میری درازنفسی کو بہت زیادہ پسند نہ کرین گے، لیکن اس قسم کے لوگون کی تسکین کے لئے مین اپنے تبصرہ کو جہان تک ممکن ہو گا

دلچسپ بنانے کی کوشش کرونگا، البتہ مین اپنے اندازِ بیان مین ترنم آمیز موسیقیت پیدا کرنے پر قادر نہین ہون،

حضرات! لغت مین غزل کے معنی عورتون سے بات چیت کرنے یا اون سے لگاوٹ پیدا کرنے کے ہین، لیکن اصطلاح میں اُس صنفِ شعر کو کہتے ہین، جس مین عشق و محبت کے حالات و واقعات بیان کئے جایین، لیکن یہ حالات و واقعات غیر محدود ہوتے ہین، اس لئے سب سے پہلے یہ متعین کرنا چاہیئے، کہ کون کون سے حالات و واقعات غزل کا موضوع بن سکتے ہین، یعنی عشق و محبت کے کن حالات و واقعات کو غزل میں بیان کرنا چاہیئے، تیسری اور چوتھی صدی کے نقادانِ فنِ شعر نے اس کا یہ اصول بتایا ہے، کہ جن واقعات و حالات کی بنیاد قوت کے بجائے ضعف پر ہو، وہی غزل کا اصل موضوع اور غزل کا حقیقی سرمایہ ہین، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے، کہ کامیاب غزل گو شاعر وہ ہے جو دنیا کے محبوب و مرغوب اخلاقی اور معاشرتی بلکہ جسمانی نظام کو بالکل الٹ پلٹ دے، دنیا عزت چاہتی ہے، لیکن وہ ذلت کا خواستگار ہو، دنیا خوش قسمت بننا چاہتی ہے، مگر وہ بدقسمت بننا پسند کرے، دنیا زندہ رہنا چاہتی ہے، لیکن وہ موت کا خواہشمند ہو، غرض دنیا کے پسندیدہ نظام کو جو غزل گو شاعر جس قدر الٹ پلٹ سکے، اُسی قدر وہ غزل گوئی مین کامیاب ہو گا، اردو شعرا مین سب سے پہلے میر نے جو مسلّم طور پر ایک کامیاب غزل گو شاعر سمجھے جاتے ہین، غزل کی اس حقیقت اور غزل کے اس موضوع کو سمجھا ہے اور فخریہ اس کا اظہار کیا ہے،

تری چال ٹیڑھی تری بات الٹی   تجھے میر سمجھا ہے یان کم کسو نے

لیکن متاخرین کے دور مین سب سے زیادہ غزل کی اس حقیقت کو حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی نے واضح کیا ہے، اس لئے غزل کی حقیقت کے سمجھانے کے لئے مین سب سے پہلے

انہی کے دیوان سے آپ کو چند الٹے پلٹے شعر سنانا چاہتا ہون،

ناتوانی کا ہے، کچھ بل انہین کچھ ضعف کا زور
عاشقوں کے ہین یہی قوتِ بازو دونون

ہمین دیکھے وقت محفل مین اپنی
معزز کرین گے گرامی کرین گے،

خوش نصیبی کبھی ہم پر بھی عنایت کرتی
کہہ کے کمبخت ہی اک دن وہ پکارے ہوتے

فانی جو ترے عشق مین قبل از وفات ہین
بس ہو انہی کی زیست وہی ذی حیات ہین

مرنے والے مجھے کہکر وہ جلا لیتے ہین
کوسنا اون کا میرے حق میں دعا ہوتا ہے

ہوش مین آؤ کسی کا یہ ادا سے کہنا
اور اے وحشت دل ہوش ربا ہوتا ہے

غرق دریائے محبت ہی کا تھا بیڑا پار
ڈوبنے والے سے بہتر کوئی تیراک نہ تھا

کھلی ہین بند ہو کر جلوہ گاہ یار مین آنکھین
حواس رفتہ ہی کچھ ہوش مین ہوتی کو لائے ہین

تاکہ خود گم نہ ہو عاشق نہین ملتا معشوق
ہوش کہتا ہے مجھے کھو دو تو کچھ پاؤ بھی

حواس کھوتے ہین جو راہ عشق مین اپنے
انہی کے ہوش کو ہم کچھ بجا سمجھتے ہین

لیکن یہ غزل گوئی کا پہلا درجہ ہے، کیونکہ اس درجہ مین اگرچہ انسان اولٹی خواہشین رکھتا ہے تاہم وہ خواہشون سے دست بردار نہین ہوتا، لیکن اس کے بعد اس سے اعلیٰ تر ایک اور درجہ آتا ہے، جہان انسان تمام خواہشون سے الگ ہو کر اپنے آپ کو صرف معشوق کی مرضی کے تابع کر دیتا ہے، اس لئے اس درجہ کی غزل گوئی پہلے درجہ سے بھی زیادہ معصوم اور زیادہ مقدس ہوتی ہے، لیکن اس قسم کے جستہ جستہ اشعار بڑی محنت و تلاش سے صرف اہلِ ذوق کو ملتے ہین، مثلاً

آتش

اپنے سیدھے سے غرض ہم نہین رکھتے
جو کہے یار ہمیں سن کے یہ کہنا بہتر

مین جو کہتا ہون سراسر ہے غلط
سب بجا ہے آپ جو فرمائیے

ہجر اچھا ہے نہ الفت مین وصال اچھا ہے
یار جس حال مین رکھے وہی حال اچھا ہے

تجھ سے مانگون مین تجھی کو کہ سبھی کچھ مل جائے
سو سوالون سے یہی ایک سوال اچھا ہے

عشق و محبت کا یہ وہ درجہ ہے، جس مین عاشق کو معشوق کی بری چیزین بھی بھلی معلوم ہونے لگتی ہین، مثلاً

تم کو آتا ہے پیار پر غصہ
مجھکو غصہ پہ پیار آتا ہے

وصل سے ہجر وہ اچھا جو کوئی پوچھنے آئے
صبح کیونکر ہوئی؟ گذری شبِ فرقت کیسی؟

برا وہ کہیں یا بھلا ہم کو ناصح
بہر طور اپنا بھلا ہو رہا ہے

لیکن ان مضامین اور ان خیالات کے اظہار کے لئے سب سے زیادہ ضروری شرط یہ ہے کہ غزل کا لہجہ نہایت خاکسارانہ، عاجزانہ اور نیازمندانہ بلکہ غلامانہ ہو، مثلاً

تقصیر ہو معاف تو اک عرض ہے ہمین
یہ عرض ہے قصور ہمارا معاف ہو

کیا پوچھتے ہو تجھپہ عنایت ہو کس قدر
اذنِ غرور و ناز تمھیں جس قدر ملے

نہین ہم سے ہو سکتی طاعت زیادہ
بس اب خانہ آباد دولت زیادہ

دیکھو ہمیں بد کہتے ہو اچھا نہیں کرتے
ہر طرح تمھارے ہین برے ہیں کہ بھلے ہم

اس اصول کے مطابق عشق و محبت مین انسان جتنی ہی بلندی سے اپنے آپ کو گرائے اسی قدر غزل گو شعراء کے نزدیک سربلند ہوتا ہے، مرزا غالب فرماتے ہین:-

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار مین
فرمانروائے کشور ہندوستان ہے

اس شعر کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہندوستان کا بادشاہ تخت و تاج کو چھوڑ کر اور معشوق کی گلی مین بیٹھکر عشق و محبت کا نام بلند کرتا ہے، لیکن اس سے زیادہ واضح مطلب یہ ہے کہ جو شخص سایۂ دیوار یار مین بیٹھتا ہے، اوس کا درجہ اس قدر بلند ہو جاتا ہے کہ اس کو

ہندوستان کا بادشاہ کہہ سکتے ہین،

اصولِ فن کے مطابق غزل کے چند سرسری اشعار جو مین نے آپ کو سنائے ان سے آپ کو اس قدر تو معلوم ہو گیا ہو گا، کہ فحاشی، بیحیائی، بدتمیزی، بداخلاقی، رندی، سیہ کاری اور شراب خواری جیسے قابلِ اعتراض مضامین غزل کے موضوع سے الگ ہین، اسی طرح اعلیٰ درجہ کے پیچیدہ مضامین بھی مثلاً فلسفہ، تصوف اور اخلاق کے مسائل اور سیاسی خیالات بھی عشق و محبت کے دائرے سے خارج ہین، صرف چند سیدھی سادھی نیازمندانہ باتین ہین، جو نرم، شیرین اور عاجزانہ لہجہ مین غزل میں بیان کیجاتی ہین، اس لئے غزل گو شاعر کا دائرہ نہایت محدود ہے، نواب مرزا داغ فرماتے ہین،

کیا کہون گا جو کہا اوس نے کہ اچھا کہئے — بات اے داغ محبت کے سوا کون سی ہے

لیکن ان کے علاوہ چند اور مضامین بھی ادنیٰ مناسبت سے غزل میں شامل کر لئے گئے ہین، اور یہ وہ چیزین ہین، جو معشوق کی یاد کو تازہ کرتی ہین، برسات کی اندھیری راتون مین بجلی کی چمک، بادل کی کڑک، نسیم سحر کے خوشگوار جھونکے، باغ و بہار، سبزہ و لالہ زار غرض اس قسم کی بہت سی چیزین ہین ایک غزل گو شاعر کے جذبات کو برانگیختہ کرتی ہین، اور وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے

کیا بلا جھوم کے گھنگھور گھٹا آئی ہے — ہائے اس وقت مرا گیسوؤن والا ہوتا

گلشن بھی ہے بہار بھی ہے ابر تر بھی ہے — یادش بخیر یار کو لائین کہان سے ہم

اس قسم کے حالات مین ہوس کا شائبہ بھی کسی قدر غزل مین شامل ہو سکتا ہے، لیکن عشق و محبت کی پاکیزگی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب معشوق کو مصیبت کے اوقات میں یاد کیا جائے، ایک جاہلی شاعر کہتا ہے،

ذکرتک والخطی یخطر بیننا — وقد نهلت منا المثقفة السمر

اس جاہلی شاعر کا یہ شعر فارسی اور اردو کے پورے عاشقانہ لٹریچر پر بھاری ہے، وہ معشوق سے کہتا ہے کہ مین نے تجھکو اُس وقت یاد کیا جب کہ دشمنون کے نیزے میرے خون کو چوس رہے تھے، اس قسم کے بلند عاشقانہ شعر ایک جفاکش جنگجو شاعر ہی کہہ سکتا ہے، عیش و طرب کے گہوارے مین پلنے والے نازک خیال شاعر نہین کہہ سکتے، عربی شاعری مین عاشقانہ مضامین یہین تک محدود تھے، لیکن ایرانی شعرا اہلِ عرب سے زیادہ وسیع الخیال اور وسیع المشرب تھے، انھون نے دیکھا کہ انسان کے علاوہ جانورون بلکہ غیر ذی روح چیزون مین بھی عشق و محبت کا مادہ پایا جاتا ہے، اور ان سے شاعری مین کام لیا جا سکتا ہے،

چنانچہ ہندی شاعری مین سرخاب کے جوڑے کا عشق ضرب المثل ہے، اسی طرح ہندو شعرا کے نزدیک بھونرا، کنول کے پھول کا عاشق تسلیم کیا جاتا ہے لیکن ایرانیون نے ان بھدے جانورون کو چھوڑ کر اور بہت سی چیزون کے اشتراکِ عمل سے عشق و محبت کی ایک مستقل برادری قائم کر لی، ان کی نازک خیالی نے دیکھا کہ ذرہ آفتاب پر، قمری سرو پر، بلبل پھول پر اور پروانہ شمع پر فریفتہ ہے، تو وسیع المشربی کی بنا پر ان سب کو عشق و محبت کی بزم مین اپنے برابر جگہ دی، اور ان کے عشق و محبت کے واقعات سے نہایت نازک اور لطیف مضامین پیدا کئے، اردو زبان کے شعرا نے بھی انھی کی تقلید کی، اور ان چیزون کو عاشقانہ شاعری کا جزو بنا دیا،

جو دل ہے حلقۂ بزمِ شراب سے باہر — وہ ذرہ ہے عملِ آفتاب سے باہر

قمری کفِ خاکستر و بلبل قفسِ رنگ — اے نالہ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے

مستی مین بلبلون نے نشیمن کے واسطے — تاکی ہین جھومتی ہوئی شاخین نہال مین

سرِ شمع پروانے گر گر بکا دے — لگی دل کی عاشق بجھاتے ہیں جل کر

جانِ سمندر و دلِ پروانہ دی مجھے — اے سوزِ عشق ہمتِ مردانہ دی مجھے

تاریخی افسانے مثلاً لیلیٰ و مجنون اور شیرین و فرہاد کے عشق و محبت کی داستان بھی اسی سلسلہ کی چیز ہے، بلبل، پروانہ اور قمری کی مناسبت سے صیاد آشیان قفس، شمع، لگن، بزم و انجمن اور سرو و جو بار سب غزل مین آگئے، اور ان سے شعرا نے نہایت لطیف مضامین پیدا کئے، فارسی شاعری مین شیخ سعدی، امیر خسرو اور حسن دہلوی کے زمانہ تک زیادہ تر یہی عاشقانہ خیالات فارسی غزلگوئی کا جزو اعظم رہے، لیکن ان کے بعد خواجو کرمانی نے دنیا کی بے ثباتی و سیع المشربی اور رندی و مستی کے مضامین غزل مین شامل کئے، اور یہ پہلا دن تھا کہ غزل مین ایسے مضامین شامل ہوے جو غزل سے کوئی تعلق نہین رکھتے تھے، خواجہ حافظ نے اس مین اور بھی زیادہ وسعت پیدا کی، اور اخلاق، فلسفہ، تصوّف، علم کلام، پند و موعظت اور سیاست غرض ہر قسم کے مضامین غزل مین شامل کر دیئے، اور ان مضامین کو اس خوبی سے ادا کیا، کہ غزل کی زبان اور غزل کی لطافت مین ذرہ برابر بھی فرق نہین آنے پایا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ بیگانہ مہمان خود صاحب خانہ بن گئے، اور اب غزل کا جو اثاثہ قائم ہوا وہ عشق و محبت سے زیادہ اسی قسم کے غیر متعلق مضامین پر مشتمل تھا، اس لئے اب عاشقانہ شاعری کی پاکیزگی جاتی رہی، اور رندی و سیہ کاری کے مضامین کی وجہ سے ایک طرف تو ملحدانہ مضامین کا سلسلہ شروع ہوا، دوسری طرف اپنے گناہون کی ندامت سے توبہ و استغفار کا غلغلہ بلند ہوا، اور رحمتِ خداوندی کی وسعت کا راگ گایا گیا، غرض دوزخ و جنت، حشر و نشر، حور و قصور، عذاب و ثواب، حساب و کتاب بھی غزل کا جزو ہو گئے، حالانکہ ان مضامین کو عشق و محبت سے کوئی تعلق نہین، یہ مسجد و منبر کی چیزین ہین، لیکن رندی و مستی کے خیالات خواجہ حافظ نے جس جوش اور بلند آہنگی سے ادا کئے تھے، وہ ان کے بعد کسی سے ادا نہ ہو سکے، البتہ فلسفیانہ اور صوفیانہ مسائل کی پیچیدگی اور کثرت مین روز بروز اضافہ ہوتا گیا، اور عرفی و فیضی نے

ان کو نہایت مغلق اور مبہم انداز مین ادا کیا، مرزا صائب اور کلیم وغیرہ نے تمثیلی پیرایہ مین بہت سے اخلاقی مسائل بیان کئے اور اس طرح تمام دنیا کے علوم و فنون غزل مین شامل ہو گئے، لیکن بایں ہمہ شعرا کا ایک گروہ دیکھ رہا تھا، کہ غزل اپنے اصلی موضوع یعنی عشق و محبت کے مضامین سے بیگانہ ہوتی جاتی ہے، اس لئے نظیری نے خالص تغزل کا رنگ اختیار کیا، اور اس حیثیت سے عرفی کی بہ نسبت زیادہ مشہور و مقبول ہوا، مرزا صائب فرماتے ہین، ع

عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

شرف جہان، ولی دشت بیاضی، علی قلی میلی اور وحشی یزدی نے وقوعہ گوئی یعنی اہلِ لکھنؤ کی اصطلاح مین معاملہ بندی شروع کی، اور معاملہ بند شعرا کا عشق اگرچہ سوقیانہ اور بازاری ہوتا ہے، تاہم بازاری عشق بھی بہرحال عشق و محبت ہی کی ایک قسم ہے، اور چونکہ عوام کی حالت کے زیادہ مطابق ہے، اس لئے عرفی کے فلسفہ، مرزا صائب کے اخلاقی مضامین بلکہ خود نظیری کی متغزلانہ رنگ سے بھی اس کو زیادہ حسنِ قبول حاصل ہوا، اور اس دور کے اکثر مشہور شعرا اسی رنگ مین کہنے لگے، فارسی شاعری مین چند اور مضامین بھی غزل مین شامل ہوئے، جو غزل سے بالکل بے تعلق تھے، یعنی دیر و حرم، ناقوس و کلیسا، قشقہ و زنار، شیخ و برہمن، بت و بتخانہ وغیرہ، اور مین خیال کرتا ہون کہ اس قسم کے مضامین عوام پسند تصوف کی اس منزل مین پہنچ کر پیدا ہوئے، جہان تمام مذاہب ایک ہی سطح پر نظر آتے ہین، ع

از یک چراغ کعبہ و بتخانہ روشن است

اردو شاعری چونکہ فارسی شاعری کا ایک پرتو اور عکس ہے، اس لئے اردو شاعری مین ابتدا ہی سے یہ تمام مخلوط مضامین شامل ہو گئے، صرف ایک خارجی اور غیر متعلق مضمون رہ گیا تھا جس کی آمیزش شیخ ناسخ کے زمانہ سے ہوئی، اہلِ ادب نے لکھا ہے کہ جن اشعار مین معشوق

کے اعضاء جوارح اور زیبایش اور آرایش کی تعریف کیجاتی ہی، وہ غزل میں شامل نہین ہین لیکن شیخ ناسخ نے نہ صرف معشوق کے اعضاء جوارح کی تعریف کو بلکہ اوس کے ہاتھی، گھوڑے، پالدان، خاصدان، پیچوان، اور حلم وتمنا کو سب کی مدح وستایش کو غزل کا جزو بنا دیا، اس لئے ایک ایسی شاعری پیدا ہوگئی، جو غزل اور قصیدہ دونون سے الگ تھی، لیکن خود انہی کے زمانہ مین اسکی اصلاح بھی ہونی شروع ہوئی، اور آتش اور اُن کے تلامذہ نے ایک مستقل عاشقانہ رنگ اختیار کیا، چنانچہ خواجہ آتش فرماتے ہین :-

ڈھلتی ہی عاشقانہ ہماری غزل تمام　　چھانے ہوئے ہین کوڈ فرنگی محل تمام

ان کے شاگرد میر وزیر علی صبا کہتے ہین،

مضمون پیچدار ہین مگر وہ اے صبا　　اشعار ہر زمین مین ہین عاشقانہ فرض

یہ درحقیقت ناسخ پر چوٹ ہی ایک تو یہ کہ ناسخ مضمون آفرینی کرتے تھے، جو غزل کے لئے ناموزون ہی، غزل کے اشعار کو صاف اور واضح ہونا چاہیئے، دوسری یہ کہ ان کا کلام عشق و محبت کے جذبات سے بالکل خالی ہے، حالانکہ یہی چیز غزل کی جان ہی، خواجہ آتش کے ایک دوسرے شاگرد آغا حجو شرف نے اردو غزل گوئی مین سب سے بڑی اصلاح یہ کی کہ فارسی اور اردو غزلگوئی کے ان تمام الفاظ کو متروک قرار دیا، جنھون نے غزل کو رندی، ہوسناکی، بدتہذیبی، بداخلاقی، بلکہ الحاد اور بے دینی کا مجموعہ بنا دیا تھا، مثلاً انھون نے بت، صنم، کلیسا، بتخانہ، برہمن، ناقوس، زنار، زاہد، واعظ، ناصح، شیخ، پیرمغان، مغبچہ، ساقی، رند، جام، ساغر، شیشہ، قلقل، صہبا اور شراب وغیرہ کے الفاظ ومضامین کو چھوڑ دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غزل گوئی کا ایک نہایت بلند اور پاکیزہ معیار قائم ہوگیا، اور وہ تمام مضامین غزل کے دائرہ سے خارج ہوگئے، جن کا غزل سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن بااینہمہ ناسخ کا رنگ متاخرین شعرائے لکھنؤ کے زمانہ تک قائم رہا، اور امیر، اسیر اور منیر وغیرہ

اسی رنگ مین کہتے رہے، البتہ حکیم سید ضامن علی جلال لکھنوی نے بتدریج اپنے کلام کی اصلاح کی، اور اخیر مین ان کا کلام یکسر عشق ومحبت بن گیا، جس مین نہ فلسفہ ہی، نہ تصوف نہ شراب وکباب، نہ رندی ہی نہ ہوسناکی، نہ مذہب ہے نہ اخلاق، بلکہ صرف عشق ومحبت کی بے میل باتین ہین، چونکہ مجھکو خالص اور بے میل غزل کا ایک نمونہ دکھلانا ہے، اس لئے مین ان کی ایک غزل کے چند اشعار آپ کو سناتا ہون،

ستم کو ہم غنیمت جانتے ہین　　یہی تیری عنایت جانتے ہین
عداوت ہی کئے جائین وہ ہم سے　　اسی کو ہم محبت جانتے ہین
تری محنت کشانِ عشق اے دوست　　ہر اک ایذا کو راحت جانتے ہین
وہ گھر جس گھر مین خاک اُڑتی ہو دِیا　　اوسی ہم دشتِ وحشت جانتے ہین
نہ جائین ناز سے چلنا وہ لیکن　　بپا کرنا قیامت جانتے ہین
جلال ان کا اگر کرتا ہون مین شکر　　اُسے بھی وہ شکایت جانتے ہین

اساتذۂ دہلی مین بھی ذوق اور شاہ نصیر نے بالکل ناسخ کا رنگ اختیار کیا، غالب نے پہلے زیادہ بیدل کی اور بعض موقعون پر ناسخ کی روش اختیار کی، اور اس رنگ مین ایسے اشعار لکھے جو اس زمانہ مین مہمل اور بے معنی سمجھے جاتے تھے، اس کے بعد عرفی اور نظیری کا رنگ اختیار کیا، لیکن وہ بھی مقبول نہ ہوا، مجبوراً میر کی سادہ عاشقانہ روش اختیار کی، اور اسی رنگ کے اشعار غالب کے دیوان کی زینت ہین، بیدل اور عرفی وغیرہ کی تقلید نے شعرائے دہلی کے کلام مین بہت زیادہ پیچیدگی پیدا کردی تھی، اور فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبون کا عنصر غالب کردیا تھا، لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ غزل کے اشعار وہی پسندیدہ ہین، جو صاف، سادہ اور روان ہون، اس لئے غالب، مومن اور ذوق کے تلامذہ نے صفائی اور برجستگی کی طرف توجہ

کی، اور شیفتہ، مجروح، انور اور داغ جیسے برجستہ گو شعرا پیدا ہوگئے،

ان تمام تغیرات اور اصلاحات کے بعد دور جدید کے غزل گو شعراء کی باری آتی ہے، جن کے بہترین نمایندے ہماری خوش قسمتی سے یہان موجود ہین، اور جن کی نغمہ سنجیون سے میری ہرزہ سرائی کے چند ہی منٹ بعد اس جلسہ کی فضا گونجنے لگے گی، چونکہ اس وقت ہمارے کانون مین انہی کی غزلون کی خوشگوار آوازین آئین گی، اسلئے مین نہایت اختصار کے ساتھ بغیر کسی قسم کی دلآزاری اور عیب جوئی کے ان کے کلام کے عیب و ہنر کی طرف چند اجمالی اشارات کرنا اپنا تنقیدی فرض سمجھتا ہون،

اردو زبان مین غزل گوئی کا جدید دور مولانا حالی کے اون اصلاحی خیالات سے شروع ہوا ہے، جن کو انھون نے اردو غزل گوئی کی نسبت مقدمۂ دیوان حالی مین ظاہر کیا ہے، مولانا حالی کے یہ اصلاحی خیالات اگر صرف شاعرانہ حیثیت رکھتے تو غالبًا ان پر مشکل سے تنقید کیجا سکتی تھی، لیکن انھون نے بعض اصلاحی صورتین ایک ریفارمر اور مصلحِ اخلاق ہونے کی حیثیت سے پیش کی ہین اسلئے کوئی شخص ان کو بحیثیت غزل گو شاعر کے قبول نہین کر سکتا، مثلاً یہ کہ

(۱) غزل مین اخلاقی اور تمدنی مضامین باندھنے چاہئین اور مسلسل غزلون مین مناظر قدرت مثلاً کوہ و دشت صحرا و بیابان اور برق و باران وغیرہ کا سمان دکھانا چاہئے جیسا کہ انگریزی شاعری مین دکھایا جاتا ہے، لیکن اہل فن کے نزدیک غزل صرف عشق و محبت تک محدود ہے، اور اس موضوع کو چھوڑ کر غزل مین کتنے ہی پاکیزہ خیالات ظاہر کئے جائین، غزل کی لطافت ان کو برداشت نہین کر سکتی، اس لئے مین شعراے دور جدید کو مبارکباد دیتا ہون کہ انھون نے عملًا مولنا حالی کے اس غلط مشورہ کو قبول نہین کیا، اور غزل کو عشق و محبت ہی کے مضامین ہی تک محدود رکھا، اس معنوی اور انقلاب انگیز مشورے کے بعد

انھون نے ایک اور نہایت اہم معنوی مشورہ دیا ہے جس پر عمل کرنے سے قدیم غزلگوئی خصوصًا شعراے لکھنؤ کی غزل گوئی کی شکل مسخ ہو کر غزل کا ایک جدید خوشنما قالب تیار ہو سکتا ہے، وہ فرماتے ہین کہ غزل مین ایسے عاشقانہ خیالات ظاہر نہین کرنے چاہئین جن سے علانیہ معشوق کا مرد یا عورت ہونا ظاہر ہو، اس بنا پر غزل مین ایسے الفاظ نہین لانے چاہئین، جو مردون یا عورتون کی وضع لباس پر دلالت کر سکین، مثلاً کلاہ، دستار، قبا، سبزۂ خط وغیرہ کہ مردون کے ساتھ اور انگیا، کرتی، مہندی، چوڑی، چوٹی، موباف، آرسی اور جھومر وغیرہ کہ عورتون کے ساتھ مخصوص ہین، اور ان کی وجہ سے اردو غزلون مین نہایت مبتذل اور رکیک مضامین پیدا ہوگئے ہین، مولنا حالی کا یہ مشورہ نہایت صحیح ہے، اور مین شعراے دور جدید کو مبارکباد دیتا ہون کہ انھون نے اس مشورہ پر عمل کر کے اپنی غزلون کو نہایت لطیف پاکیزہ اور اصول فن کے مطابق بنالیا ہے، لیکن اس مشورہ پر عمل محض وضع و لباس پر دلالت کرنے والے الفاظ کو چھوڑ دینے سے نہین ہو سکتا، بلکہ اور بھی چند مضامین کا جو فارسی اور اردو شاعری کا بہت بڑا سرمایہ ہین، چھوڑنا ضروری ہے، مثلاً عربی شاعری مین اہلِ عرب کا معشوق ایک باعفت پردہ نشین عورت ہوتی ہے، جہان بہ مشکل رسائی ہو سکتی ہے، لیکن شعراے ایران کا معشوق اکثر شاہد بازاری اور مبتذل ہوتا ہے، وہ ہر ایک کو ہاتھ آسکتا ہے، سیکڑون سے تعلق رکھتا ہے، جب محفل مین جلوہ آرا ہوتا ہے، تو چارون طرف سے عشاق کا جمگھٹا لگ جاتا ہے، وہ کسی سے آنکھین لڑاتا ہے، کسی سے اشارے کرتا ہے، اسی کے ساتھ وہ دنیا بھر کے اخلاقی عیوب کا مجموعہ ہوتا ہے، وہ جھوٹا ہے، بدعہد ہے، ظالم ہے، سفاک ہے، قاتل ہے، مکار ہے، فتنہ گر ہے، حیلہ ساز ہے، شریر ہے، کینہ پرور ہے، ہر ایک کی بات مان لیتا ہے، اور ہر ایک کے قابو مین آجاتا ہے، گھوڑے پر سوار ہوتا ہے، اور تیر و خنجر چلاتا ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ ان اوصاف رذیلہ کا مجموعہ مرد ہی ہو سکتا ہے، عورت کتنی ہی آوارہ گرد ہو، نہ

اسقدر سہل الوصول اور مبیاک ہوسکتی، اور نہ گھوڑے اور ہاتھی پر سواری کرسکتی، مولانا حالی نے اس قسم کے مضامین کی اصلاح کی طرف توجہ نہین دلائی ہے اسلئے شعرائے دورِ جدید بھی ان مضامین سے اردو غزل گوئی کو بالکل پاک نہ کرسکے، حالانکہ غزل کو اگر مردون کے باہمی عشق و محبت سے جو ایرانیون کا شیوہ تھا، بالکل پاک کرنا ہے تو اس قسم کے مضامین کو بھی چھوڑ دینا چاہئے تاہم اس مین شبہہ نہین کہ شعرائے دورِ جدید کے کلام مین اس قسم کے مضامین کی کثرت نہین پائی جاتی اور اس حیثیت سے وہ اردو شاعری کے معنوی مصلح کہے جاسکتے ہین، اس اصلاح کا ایک اہم نتیجہ یہ نکلے گا کہ اردو غزل گوئی جور و ستم اور بیرحمی اور سنگدلی کے مضامین سے بالکل خالی ہوجائیگی اور معشوق حسنِ صورت کے ساتھ حسنِ سیرت کا بھی مظہر ہو جائے گا، افسوس ہے کہ اردو شعرا کے دواوین مین اس قسم کے اشعار بہت کم ملتے ہین، جن سے عاشق و معشوق کی باہمی محبت اور خوشگوار تعلقات کا اندازہ ہوسکے، مجھے چند شعر البتہ یاد ہین، جن کو باہمی محبت کا نمونہ قائم کرنے کیلئے سناتا ہون،

ہم تم یک جان ہیں دو قالب   باہم کیا کیا محبتین ہین

جہان مین جو ہین یک جان و دو قالب   وہ میری جان تو ہے اور مین ہون

مخفل دشمن سے میری پیشوائی کیلئے   جھوم کر آنا وہ تیرا ہائے متوالے مرے

لیکن مولانا حالی کے مشورہ کے برخلاف اس زمانہ مین ایک میلان یہ پیدا ہو رہا ہے کہ غزل مین صاف طور پر یہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ معشوق عورت ہے مرد نہین، اردو غزلون مین گو معشوق کی تمام زنانہ خصوصیات کا ذکر کیا جاتا ہے، لیکن صیغہ ہمیشہ مذکر کا استعمال کیا جاتا ہے، مثلاً:-

کبھی کھلتا ہے جوڑا اور کبھی گیسو بکھرتے ہین   وہ میری سوگ کے پردے میں بھی کیا کیا سنورتے ہین

صرف غالب نے ایک موقع پر معشوق کے لئے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا ہے،

ان پریزادون سے لین گے خلد مین ہم انتقام   قدرتِ حق سے یہی حورین اگر وان ہوگئین

اسی شعر کی سند پکڑ کر ایک صاحب نے جو اپنے آپ کو مجدد غزل کہتے ہین اسی زمین مین ایک پوری غزل لکھی اور تمام صیغے مونث کے استعمال کئے، میں اس وقت گرامر کے اصول و قواعد پر تو کوئی رائے نہین دیسکتا، تاہم مین اس سے متفق ہون کہ اگر غزلون میں زنانہ پوشاک، زنانہ زیورات اور زنانہ زیبایش و آرایش کا ذکر مہذب الفاظ مین کیا جائے تو اس سے غزل کی لطافت اور پاکیزگی مین کوئی فرق نہین آئے گا، بلکہ لکھنو کی شاعری کا وہ قابلِ اعتراض حصہ جو اس زمانہ مین بیکار سمجھا جاتا ہے، باکار ہو جائیگا،

ان معنوی اصلاحات کے ساتھ مولانا حالی نے چند لفظی مشورے بھی دیئے ہین مثلاً یہ کہ صنائع و بدائع بالخصوص رعایتِ لفظی اور ضلع جگت سے شعراء کو احتراز کرنا چاہئے مشکل زمینون مین غزل نہیں کہنی چاہئے، بہت لمبی چوڑی غزلین نہین لکھنی چاہئین، اور شعرائے دورِ جدید نے نہایت آسانی کے ساتھ ان پر عمل کرکے لفظی اور معنوی دونون حیثیتون سے غزل کا ایک نیا قالب تیار کیا ہے جس مین خوبیان زیادہ اور برائیان کم ہین، ایک لفظی خوبی یہ ہے کہ وہ نہایت لطیف اور معنی خیز ترکیبین ایجاد کرتے ہین، مثلاً:-

ع:- نہ پوچھو اس شرابی کے خرامِ لاابالی سے

ع:- لغزشِ نیم گام نے مارا

"خرامِ لاابالی" اور "لغزشِ نیم گام" نہایت لطیف اور معنی خیز ترکیبین ہین لیکن اس کے برعکس بعض بے معنی ترکیبین بھی ایجاد کرتے ہین، مثلاً

ع:- وہ نہ پہلے سوزِ غم اک شعلۂ بیہوش تھا

ع:- اے قیس نظرِ حسنِ حقیقت سے خبردار

"شعلۂ بیہوش" اور "قیسِ نظر" بے معنی ترکیبین ہین،

دوسری خوبی یہ ہے کہ نہایت لطیف، نازک اور نئے نئے استعارے اور تشبیہین پیدا کرتے ہین، مثلاً

ع فردوس ایک پھول ہے دستِ بہار مین

تم شامِ شبِ فرقت بیساختہ آنکلے
یا کفر کے پردے سے ایمان نکل آیا

مرکب تشبیہ ہے اور نہایت لطیف ہی،

کیا وہ نظرون کا مری حسنِ تلاطم سمجھے
جس نے دیکھا ہی نہ ہو جلوۂ رقصان کوئی

متحرک تشبیہ ہی، جو تشبیہ کے عمدہ اقسام مین شمار کی گئی ہے، حسنِ تلاطم اور جلوۂ رقصان کا تقابلہ نہایت خوب ہی، لیکن اسی کے ساتھ بعض اوقات نہایت مکروہ، قابلِ نفرت اور غلط استعارے اور تشبیہین بھی پیدا کرتے ہین، مثلاً

ع لاش کی صورت زبان تھی اور مین خاموش تھا

جبینِ درد ہے بیتاب سجدہ اے فانی
کدھر ہے خاک ترے دل کے آستانے کی

جبینِ درد اور دل کے آستانے کی خاک، یہ سب مہمل تشبیہین ہین، اور زبان کی تشبیہ مردہ لاش کیساتھ نہایت مکروہ ہے،

ع - یہان تو کام ہی اک نشترِ توجہ سے

نشترِ توجہ کوئی چیز نہین،

اس کے ساتھ لفظی اور معنوی غلطیان بہ کثرت کرتے ہین،

کیا کرین بندگانِ مجبوری
عاشقی کی خدائیان توبہ

خداکاریان صحیح ہے،

اے دردیہ چٹکیان کہانتک
اٹھ اور جگر کے پار ہوجا

درد کا جگر کے پار ہونا معنیً غلط ہے،

ان کے کلام کا سب سے بڑا عیب ان کے کلام کی ناہمواری ہی، بعض اوقات تو نہایت بلند روان اور برجستہ اشعار کہتے ہین، اور ہر رنگ مین کہتے ہین، اس مختصر تقریر مین انتخاب کی گنجایش نہین، اس لئے صرف فانی کی ایک سیدھی سادھی غزل سناتا ہون،

دل کو اس کی یاد سے آباد رکھ
بھولنا اچھا نہین ہے یاد رکھ

جبتک اس در تک نہ پہنچون اے فلک
میری مٹی کو یونہی برباد رکھ

ایک دن یہ عرش بھی ہو جائیگا
پہلے دل مین عشق کی بنیاد رکھ

حشر مین کہنا پڑے گا اے شباب
اپنی ناکامی کا قصہ یاد رکھ

یہ میر کا رنگ ہے، لیکن ان مین بعض لوگ کبھی کبھی عرفی اور نظیری کی بولی بھی بولنے لگتے ہین، مثلاً

بزم نظارہ ہی پھر آج سراپا گستاخ
جلوہ بیباک، نگہ شوخ، تماشا گستاخ

تم ہوا غوشِ تصور مین کہان کی تمکین
شوق بدمست ہی اور دستِ تمنا گستاخ

نازِ بیجا سے بڑھی جاتی ہی شانِ ابرام
لو ہوا جاتا ہی عنوانِ تقاضا گستاخ

لیکن اسی کے ساتھ بعض اوقات بالکل بے معنی اور مہمل بھی کہتے ہین، فانی کی پہلی صاف وسادہ غزل سنانے کے بعد ان کی ایک دوسری غزل سناتا ہون،

پہلوے زوال ہون معنی کمال مین
مین ہون حدِ امتیازِ جلوہ وجمال مین

آدمی مین کچھ نہین آپ نے سمو دیا
عالمِ غبار کو عالمِ خیال مین

ابتداے زندگی، انتہاے زندگی
آپ کے خیال سے آپکے خیال مین

عرضِ نیاز و ناز ہے، کثرتِ مجاز کا   آئینے سے لگ گئے پرتو جمال مین
فانیِ شکستہ دل تونے کر دیئے جدا   ورنہ ممکنات شوق جذب تھے محال مین

اتنا تو ہر شخص محسوس کرے گا کہ یہ غزل کے اشعار نہین ہین، لیکن مین کہتا ہون کہ بالکل بے معنی ہین،

ایک خاص کمی جو اس زمانہ مین عام طور پر محسوس کیجا رہی ہے، اور اس کو شعراے دورِ جدید پورا کر سکتے ہین، یہ ہے کہ دورِ جدید کی غزل گوئی مین ہندی شاعری کے پاکیزہ مضامین اور لطیف تشبیہات اور استعارات کی آمیزش بہت کم نظر آتی ہے، مدت ہوئی کہ ایک ہندو مضمون نگار نے مسلمانون پر یہ الزام لگایا تھا، کہ انھون نے ہندوستان مین کئی صدی تک حکومت کی لیکن ہندؤون کا علم ادب ہمیشہ ان کی توجہ سے محروم رہا، علامہ شبلی نے اس غلط الزام کی تردید مین دو مضمون لکھے تھے، جن مین سے ایک مضمون مین مستند تاریخی حوالون سے ثابت کیا، کہ مسلمانون نے صرف یہی نہین کیا کہ ہندؤن کے علوم و فنون سے واقفیت حاصل کی، اور ان کی بلند پایہ کتابون کے ترجمے کئے، بلکہ ان کو نہایت ترقی بھی دی، اور ہندو پنڈتون کی نہایت قدردانی کرتے رہے، دوسرے مضمون مین انھون نے ان مسلمان شعراء کا تذکرہ لکھا، جنھون نے ہندی زبان مین شاعری کی تھی، اور ہندو کبیشرون نے ان کے شاعرانہ کمال کی داد دی تھی، بلکہ بعض موقعون پر ان سے اصلاح بھی لی تھی، ہمارے اسلاف کے ان کارنامون کے بعد یہ نہایت آسان کام تھا کہ ہم اردو غزل گوئی مین سنسکرت اور بھاشا شاعری کے پاکیزہ مضامین کو شامل کرتے، لیکن دورِ جدید کے شعرائے کلام مین ان خیالات کی آمیزش مطلق نہین معلوم ہوتی، اردو کے اساتذۂ قدیم کے زمانہ تک ہندی شاعری کا ایک خفیف سایہ تو اردو شاعری مین نظر آتا ہے، جس کی وضاحت اشعار کے انتخاب سے کیجا سکتی ہے، مین نے شعر الہند مین اس

قسم کے بہت سے اشعار منتخب کئے ہین، لیکن اس وقت اختصار کے لحاظ سے ان کو نظر انداز کرتا ہون، لیکن بعد کو یہ اثر کم ہوتا گیا، البتہ واجد علی شاہ کے دورِ حکومت مین اس کی طرف پھر توجہ کی گئی، واجد علی شاہ کو دنیا صرف ایک عیاش فرمانروا کی حیثیت سے جانتی ہے، لیکن درحقیقت وہ بہت سی خوبیون کا مجموعہ تھے، جن مین سب سے بڑی خوبی یہ تھی، کہ وہ نہایت غیر متعصب شخص تھے، اور اسی بے تعصبی کی وجہ سے انھون نے اپنے عیش و عشرت کے سامانون مین ہندی تہذیب کے بہت سے اجزا شامل کئے تھے، اس وقت مین بہت زیادہ تاریخی تفصیلات مین پڑنا نہین چاہتا، ورنہ نہایت کامیابی کے ساتھ ہندو تہذیب کے اُن اجزا کو دکھلایا جا سکتا تھا جو ان کے زمانہ مین مسلمانون کی تہذیب مین شامل تھے، اکبر اعظم کی بے تعصبی سیاسی حیثیت رکھتی تھی، لیکن واجد علی شاہ کی بے تعصبی بالکل معاشرتی اور بعض صورتون مین علمی تھی، اس علمی بے تعصبی کا اثر ان کے دور کی غزلگوئی پر بھی پڑا، اور بعض شعراء نے اپنی غزلون مین ہندوانہ جذبات اور ہندوانہ خیالات کی آمیزش کی، چنانچہ سید محمد خان رند فرماتے ہین،

جھوم جھوم آتی ہے گھنگھور گھٹا ساون کی   ٹھنڈی ٹھنڈی چلی آتی ہے ہوا ساون کی
خونِ عشاق مین پھر پینو لگی گندھنے لگی   رنگ لائی ترے ہاتھون مین حنا ساون کی
کو کے اک سمت پپیہا کہین کوئل کرے شور   مور چلاتے ہین رُت آئی ہے کیا ساون کی
لہلہانے لگے جنگل، ہوئے پھر کھیت ہرے   روپ دکھلانے لگی نشو و نما ساون کی
کان مین دیس کی آواز چلی آتی ہے رند   تانین لیتی ہے کوئی حور لقا ساون کی

امانت لکھنوی نے ایک پوری غزل بسنت پر لکھی ہے، جس کے چند شعر یہ ہین :-

ہین جلوۂ تن سے در و دیوار بسنتی   پوشاک جو پہنے ہے مرا یار بسنتی
گیندا ہے کھلا باغ مین میدان مین سرسون   صحرا وہ بسنتی ہے یہ گلزار بسنتی

ہو لطف حسینون کی دورنگی مین اماّنت — دو چار گلابی ہون تو دو چار بسنتی

امانت کی اندر سبھا مین بھی خاصا ہندی رنگ نمایان ہی،

لیکن یہ ایک سطحی آمیزش ہی، قدیم ہندی شاعری مین نہایت لطیف اور نازک مضامین پائے جاتے ہین، جو باَسانی اردو مین منتقل ہوسکتے ہین، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی نے عربی اشعار مین بہت سی ہندی دوہون کے مضامین کا ترجمہ کیا ہی، اور اردو مین بھی اس قسم کے ترجمے باَسانی کئے جاسکتے ہین، ایک جدید ہندوستانی علم ادب کی تعمیر انہی مضامین کی آمیزش سے ہوسکتی ہی، اسلئے شعراے دورِ جدید کا فرض ہی، کہ وہ ان مضامین کو اپنی غزلون مین منتقل کرین، لیکن جو لوگ اردو زبان مین سنسکرت اور بھاشا کے ثقیل اور بھدے الفاظ کی آمیزش کرکے نئی ہندوستانی زبان بنانا چاہتے ہین، وہ ایک حسین عورت کے چہرے پر پوڈر کے بجاے کالک لگا رہے ہین، اردو زبان کی نزاکت اس قسم کے الفاظ کے بوجھ کو کبھی نہین برداشت کریگی، اور ان کو اس غیر شاعرانہ کوشش مین سخت ناکامی ہوگی، جو لوگ مغز کو چھوڑکر چھلکون پر جان دیتے ہین، ان کی قسمت مین ناکامی کے سوا لکھا ہی کیا ہی، اس کے بالکل برعکس ایک کوشش یہ ہی کہ اردو زبان مین عربی اور فارسی کے جو الفاظ شامل ہین، اُن کو بالکل نکال کر ایک عام فہم سلیس اردو زبان پیدا کیجائے، ایک مشہور شاعر نے ایک پورا دیوان اسی سلیس اردو زبان مین مرتب کرڈالا ہی، جس مین جنون کے بجاے سنک اور طوفان کے بجاے ڈبیری کا لفظ استعمال کیا ہی، لیکن اگر اردو زبان مین سنسکرت اور بھاشا کے ثقیل الفاظ ٹھونس دیئے جائین اور عربی اور فارسی کے خوشنما الفاظ نکال دیئے جائین، تو اس زبان کا کیا نام ہوگا؟

از حسن این چہ سوال است کہ معشوق تو کیست
این سخن راچہ جواب است تو ہم می دانی

نگاہ جاتی ہوگی، تمام تر مسلمانون کی آبادیان تھین، ان مین بُت وبت خانہ کی گنجایش کہان، مومن ومجاہد افغان کو وہان کیا دکھائی دیتا ہوگا، ہندوستان کی طرف توجہ کی تو اس کو دارالاصنام پایا، یہان پہنچکر "بُت شکن" کا لقب اختیار کیا، مگر ذرا یہ تو بتا دیجئے کہ کتنی جگہ کتنے شہرون مین اس نے کتنے بت توڑے تھے، کتنے بُت خانون کو مسمار ومنہدم کیا تھا، مسلمان مورخین کو چھوڑیئے یہ تو بعض اوقات شیخیان بگھارنے اور ڈینگ مارنے کے عادی نظر آتے ہین، خود بدولت اپنی جماعت کی بہادری اور ممدوحین کا نام اونچا کرنے کیلئے محمود کو بھی کیا نہین بنا چکے ہین، اس لئے میرا روے خطاب ناسلم منصف مزاج مورخین اور مفتشین سے ہے، والصدق ماشھدت بہ الاعداءُ،

اس تذکرہ مین مین ایک بلند پایہ ہندو مورخ راجہ کندن لال اشکی کی تحقیقات کو نظر انداز نہین کرسکتا، جنھون نے اپنی کتاب منتخب تنقیح الاخبار مین صرف دو مندرون کا نام اس صورت سے لیا ہی، ان کے علاوہ کسی عبادتگاہ کا نشان نہین دیتے، (۱) فتح تھانیسر بردست محمود غزنوی وتخریبِ مندرِ سوم جگ، در چہار صد و دو (۲) فتح گرات (گجرات؟) وہدم معبد جمل ہزار سالہ بردستِ محمود، در چہار صد و ہیجدہ،[۵]

البتہ ہمارا ہم وطن مگر فرنگی نژاد مصنف بیل (Beale) اپنے قطعاً غیر مورخانہ رنگ مین فرماتا ہے، کہ "ہندوستان پر محمود نے بارہ حملے کئے، اوس نے ہندوون کے صدہا (بہت سے

(بقیہ حاشیہ ص۲۸۲) سوادِ سومناتِ اعظمِ دل — خراب چشم شہلاے تو باشد
شکستِ کفر وکین (؟) خونریز مسلام — زمزگانِ صف آراے تو باشد (ص۲۴۶) دین؟
خشت خردنہ بروزنہ قال می زنیم — درسومناتِ عشق دم از حال می زنیم (ص۵۴۴)

[۵] مطبوعہ ۱۲۹۶ھ ص۲۷،

سیکڑے) مندر گرا کر زمین کے برابر کردیئے، ہزارون (کئی کئی ہزار) بُت توڑ واڈالے، سومناتھ
کے مشہور بُت کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے، اور یہ ٹکڑے غزنین، مکّہ اور مدینہ کو بھیج دیئے[1]، ہان
یہان مجھے دوہرے شکوے ہین، دو خود مسٹر بیل سے، ایک تو یہ کہ اپنی تحریر کی توثیق و ثبوت
مین کسی تاریخ یا کتاب کا حوالہ نہین دیتے، دوسرے بُت فروشی پر سلطان کی آمادگی، اور ایک
عزیز رشید کے روکنے کی داستان کیون فراموش فرماتے ہین، جو زبان زد عام ہی، نیز جس کو
کاغذ وسیاہی سے استناد کی قوت حاصل ہی، محمود خان سے صرف ایک گلہ ہے، اس ستمگر جفا کیش
نے ہمارے ہند کی سرزمین پر اس محبوب و پرستیدہ نُو ہے یا پتھر کا ایک ٹکڑا بھی نہ چھوڑا ع

مین لپٹ کے رو لیتا جو کہین مزار ہوتا!

موصوف نے کمال دانشمندی و دور اندیشی سے سومناتھ کے صندلین پھاٹکون کو غزنین
لیجانے کا ذکر نہین فرمایا، وہ جانتے تھے، کہ پول کھُل چکا اور جھوٹ، جھوٹ ثابت ہوچکا ہی،
اب کسی نئی تاریخ کے اوراق مین ایسے صاف وصریح افترا کی گنجایش کہان باقی ہے، (ابو مقبول
کم سواد، تمار تاریخ الہ آباد حصہ اول مین صفحات ۳، و ۴، پر ضروری تفصیل اور قدرے تدلیل کیساتھ
سرکاری و غیر سرکاری تحریرات کے حوالون سے اس بُہتان پر بحث کرچکا ہے)

ایک نامور درباری اور مستند مورخ بخشی نظام الدین احمد ہروی کی بھی سُن لیجیے، طبقات
اکبری مین لکھتے ہین:-

بُتے راکہ بعوضِ سومنات کہ سلطان محمود شکستہ بود باز برہمنانِ سومنات معبود خود
ساختہ بودند وزآنجا بدہلی آوردہ پے سپر خلائق گردیدند،

(صفحہ ۶۹ نولکشوری)

[1] اورنٹیل بیاگرفیکل ڈکشنری ص ۱۶۴،

کیا پُرانے بُت کے عوض کوئی نیا بنا لیا گیا تھا،؟ یا یہ کہ وہی بُت اچھی طرح ٹوٹا نہ تھا، محمود کا
فولادی گرز اسکو پُرزہ پُرزہ کرنے مین ناکام رہا تھا، اور سومنات کے پوجاریون نے پھر (باز)
اُسی ٹوٹے پھوٹے بُت کو اپنا معبود و مسجود بنا لیا تھا، اسکی پرستش خود ہی تنہا شروع نہین کردی
تھی، بلکہ سلطان علاء الدین خلجی کے عہد مین اس کو دہلی لے آئے تھے، اور گھوم پھر کر خلق اللہ کو دکھاتے
اور زیارت کراتے تھے، میرا ذہن اس مختصر عبارت سے صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر ہے،

اس زمانہ کے بعض انگریز جن کو محمود سے کوئی خصومت خاص نہ ہونی چاہیئے تھی، جہان
اسکی علم دوستی، ہنر پروری، شعرا نوازی، علما و اہلِ کمال کی خدمت کی توصیف و تحسین فرماتے
ہین، یہ بھی لکھتے ہین کہ ۱۰۱۴ء[1] مین تھانیسر پر محمود کی لشکر کشی محض دینی جوش کے باعث تھی،
ایک مختصر مقابلہ کے بعد یہ پُرانا اور دولت مند شہر اس کے قبضہ مین آگیا، اور خوب لوٹا
گیا، بے شبہہ بُت توڑے گئے، اور مندر اپنے عظیم ذخائرِ دولت و خزائن کی بدولت غارت
کیے گئے،[2] وہ بے شمار زر و جواہر اور سیکڑون لونڈی غلام لے کر گھر کو چلتا ہوا، مگر وہان پہنچکر
یہ سارا مال و متاع علوم و فنون کی اشاعت اور صنعت و حرفت کی ترقی پر صرف کیا،[3] وہ
محمود کے حملون کی تعداد سترہ تک پہنچاتے ہین،[4]

یادش بخیر، محمود کے سوانح و وقائع کا جامع، ابو نصر محمد بن عبد الجبار عُتبی ایک ممتاز ادیب
و انشا پرداز تھا، اسکی تاریخ یمینی ایشیا اور یورپ دونون جگہ وقعت و اعتماد کی نگاہ سے
دیکھی جاتی ہے، جس کا ترجمہ غیر زبانون مین ہوچکا ہے، اسکی روشِ احتیاط، سعی راست نگاری،

[1] یہ حضرات سنین ہجری کو تقویم انگریزی مین تحویل کرتے وقت اکثر غلطی کرجاتے ہین، ۴۰۲ھ
۱۴ اگست ۱۰۱۱ء سے شروع ہوتا ہی، لہذا تھانیسر کا محاصرہ ۱۰۱۱-۱۲ء مین ہوا ہوگا [2] لفظی معنی
مین [3] ڈی لافوس کی تاریخ ہندوستان مطبوعہ لندن، ۱۹۰۳ء صفحات ۶۶ و ۶۷ [4] ایضاً ص ۶۷

اعتدال پسندی تسلیم کرنے کے باوجود مین اس کو صفِ مجاہدین سے الگ نہین کرسکتا، درباری
مورخ اور درباری مقرب تھا، خود اسکی شانِ مشیخت وتفاخر اسی کی مقتضی تھی، کہ وہ اپنے
ولی نعمت کے ہر عمل و ہر فعل مین اسکی عظمت وشوکت کا قابلِ مباہات پہلو نمایان کرتا ہے،

جملہ اختتامیہ، محمود کے متعلق آج کل مخالف وموافق تحریرات آزادی سے نکل رہی ہین،
ان مین سے دو خاصکر قابلِ توجہ ہین، ایک پروفیسر محمد حبیب کی کتاب "سلطان محمود غزنوی" بقول
ڈاکٹر سید محمد عبد اللہ "اس کے دوران مین مصنف نے جا وبیجا موقع وبے موقع یہ رٹ لگائی
ہے، کہ محمود لیٹرا اور ڈاکو تھا، وہ ہندوستان کے مندرون کی دولت لوٹ کرلے گیا"[لہ] دوسرا
ڈاکٹر محمد ناظم کا فاضلانہ، محققانہ وناقدانہ مقالہ محترم ناظرین ان کے مطالعہ کے بعد خود ہی فیصلہ فرمائین،

اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے، کہ عالمگیر نے بت نہین پائے تو بت خانے توگرائے ہون گے؟
دو تین شہرون اور مقامات مین اُس نے دستِ تعدی ضرور دراز کیا، مگر اس مین بھی دینداری و
خداپرستی کے جاذبہ سے زیادہ ملک داری اور سطوت وحکومت کا شائبہ اس شکست وریخت
معابد کا ذمہ دار اور جواب دہ تھا، ملک گیری کا حوصلہ، سیاست کا نظام، حکومت کا طریق
بسا اوقات اس سے بھی بڑھکر کرجاتا ہے، ع

سبحہ راز نار کرد است و کند

مین اس وقت نہ تو محمود کی وکالت کا جامہ (قانونی عدالتون کی زبان مین گون)
پہن کر آیا ہون نہ عالمگیر ایسے متشرع حامی دین کی صفائی پیش کرنے، مجھے تاریخِ کشمیر سے چند
واقعات کا ذکر کردینا مدِ نظر ہے، اسکے لئے یہ ابتدائی اجمالی اطلاع ضروری سمجھی،

دوسرے کتاب خانون کا جلانا، بصیغہ جمع تو خود اس گناہگار ناآگاہ کا رنے منتیا نہ

[لہ] اورینٹل کالج میگزین، نمبر ۴، اگست ۱۹۴۰ء صفحات ۱، ۲ و ۲،

شان سے استعمال کردیا ہے، ورنہ گذشتہ ساڑھے تیرہ سو برس کے اندر مسلمانون کے بے شمار
غزوات اور معرکون کے سلسلہ مین سوا ایک اسکندریہ والے کے اور کسی کتب خانہ کا نام بھی آج
تک نہین لیا گیا ہے، وہ آغازِ اسلام کا زمانہ اور خلافتِ ثانیہ (رضی اللہ عن صاحبہا) کا بابرکت
وقت تھا، وہ قصہ جس زور شور سے گڑھا گیا تھا، اُس سے زیادہ جوش وخروش کے ساتھ اسکی
تردیدین کی گئین، مقالات اور رسالے یگانہ وبے گانہ نے لکھے، اور شواہد واسناد سے ثابت
کردکھایا، کہ اسکندریہ کا کتب خانہ اُس مبارک عہد اور فتحِ مصر سے صدہا برس پیشتر رومی عیسائیون
کے ہاتھون سے تباہ ہوچکا تھا[لہ] ع:-

این قصہ دراز ست بہ یاران چہ نویسم

کشمیر مین مسلمانون کی چار یا پنج سو برس حکومت رہی، کم از کم ڈھائی سو سال تو سلاطین

[لہ] اس الزام کو صحیح ماننے والون مین ہمارے زمانہ کے مسٹر کریل اور جرجی زیدان دو متعصب عیسائی ہین،
یہ دونون پُرانے مورخین اور اہلِ قلم ابو الفرج ملطی مسیحی کی تاریخ الدول، قاضی جمال الدین قفطی مسلمان کی
تاریخ الحکما نیز اسحاق راہب کی تاریخ الحکما، احوال یحییٰ نحوی کے حوالون سے دانستہ وناداستہ اسکی تائید
تلاش کرکے لاتے ہین،

بے اصل ثابت کرنے والے علما کی جماعت اس سے زیادہ موقر وقیع وباخبر ہے، اپنون کو
چھوڑیے غیرون مین گبن (انگریز) سا مورخ، ڈریپر (امریکن) سا فاضل، ڈاکٹر مورلانی سا بے باک
راست گو، اور اطالوی پروفیسر ڈاکٹر گریفینی سا محقق حضرت عمرؓ کے اوپر سے اس الزام کو دور کرتا ہے،
مسٹر بٹلر ایک انگریز تاریخ نگار نے "فتح مصر" کتاب مین ایک پورا باب اسی مبحث کے نذر کیا ہے،
اس بارہ مین مخالف وموافق لٹریچر جس قدر موجود ہے، اور اُسکی جو کچھ نوعیت واہمیت ہے،
اسکے لئے حضرت علامہ شبلی مرحوم کا رسالہ، نیز الندوہ کے اگست ۱۹۱۰ء اور دسمبر ۱۹۱۱ء نمبر، معارف کے

اہل اسلام ضرور ناظم رہے ہین[1]، ان کے تو سوا سو[۱۲۵] فرمانرواؤن مین ان کے مختلف طور و طریق حکمرانی مین صرف دو عمل ایسے بتائے جاتے ہین، جو مذہبی دلآزاری کی تعریف اور تکلیف دہی مین داخل ہو سکتے ہین، اور یہ دونون فعل ایک صرف ایک بادشاہ سے منسوب کئے جاتے ہین، زیادہ سے زیادہ دو کے ساتھ، خاکہ تو وہی پرانا اور دھندلا غزنوی محمود کا رکھا، مگر اس مین رنگ ہمارے فسانہ ساز مورخون نے بھرا ہے، شاعرانہ نکتہ سنجی اور دقیقہ رس مضمون آفرینی و صناعی سے اسکو چمکا دیا ہے، تاریخ جیسی روکھی سوکھی، سیٹھی پھیکی چیز مین جب تک نمک مرچ لگاکر کچھ چٹخارا پیدا نہ کردیا جاتا، تو مزہ کیا آسکتا تھا، بہرکیف مورخین نے اس مدت مدید مین ان مجموعی الزامات یا حسنات و سیآت کے لئے صرف ایک ہی یعنی سلطان سکندر بت شکن کو انتخاب فرمایا ہے[2]، کہ اوس نے بتون کو توڑا اور اس کے صلہ مین بت شکن کا شاندار لقب حاصل کیا تھا[3]، کہتے ہین کہ اوس نے ہندوون کے بہت سے عظیم الشان مندرون کو ویران و منہدم کرادیا تھا[4]، سکندر سے پہلے اوس کا اولوالعزم و باہمت چچا شہاب الدین

(بقیہ حاشیہ ۲۸۷) جون ۱۹۲۲ء و مارچ ۱۹۲۵ء کے پرچون کا مطالعہ ضروری ہی، اگر اسقدر زحمت برداشت کرنا منظور نہین ہو تو مولنا سید سلیمان ندوی کی جامع و مانع یادداشت نومبر ۱۹۳۱ء کے معارف مین دیکھ لینے سے کافی تسلی و تشفی ہوجائیگی۔

[1] ترجمہ واقعات ص ۱۰۰ [2] سلطان سکندر شاہ میر درویش کا پوتا تھا، جو سلاطین کشمیر کا ابوالآباء مانا جاتا ہو جس نے تخت نشین ہوکر سلطان شمس الدین لقب اختیار کیا تھا، کشمیر مین دین اسلام اسی نے پھیلایا تھا، ترجمہ صفحات ۱۰۲، ۱۰۴ و ڈکشنری صفحات ۲۴۶ و ۲۴۴، سکندر اپنے باپ سلطان قطب الدین کی جگہ ۷۹۶ھ (۱۳۹۳ء) مین جملہ امرا و ارکان دولت کے اتفاق و اتحاد سے تخت نشین ہوا، مسٹر بیل لکھتے ہین کہ کشمیر پر جن سب سے زیادہ طاقتور بادشاہون نے کبھی حکمرانی کی ہے ان مین یہ سکندر بھی تھا، (ڈکشنری ص ۲۶۱) پونے تیئیس سال سلطنت کرکے ۸۱۹ھ (۱۴۱۶ء) مین اس جہان فانی کو خیرباد کہا، تیمور لنگ اسی کے وقتون مین ہندوستان آیا تھا، (ترجمہ واقعات ۱۰۲ و ۱۰۳) [3] ایضاً صفحات ۱۰۱ و ۱۰۲ و اورنٹیل بایوگرافیکل ڈکشنری صفحہ ۲۶۱ [4] صفحہ ۱۰۲ و ڈکشنری ص ۲۶۱،

ایک بادشاہ گذرا ہے، جس نے حیلہ و حوالہ سے نہین بلکہ ادہ مردانگی و دلاوری و یکرُبت خانون کو درہم برہم کردیا تھا[1]، لیکن سکندر کی فرد جرائم مین کچھ اور دفعات بھی ہین، اس نے حضرت میر محمد ہمدانی اور سادات باسعادات کے فرمانے سے اکثر بدعات کو خصوصاً مزامیر یعنی نقرنا و کرنا و سرنا کو بالکل بند کردیا تھا، آستانۂ دولت کے سوا شہر اور اُس کے اطراف مین کسی کو ڈھول بجانے کی بھی اجازت نہ تھی، تمام باجے اور مطربانہ ساز جو اس تعریف مین آسکتے تھے، سب یک قلم بند کردیئے تھے[2]،

دوسرا واقعہ بھی اسی سلطان سکندر کے عہد دولت سے متعلق ہے، اس نے شالی مار باغ کی ایک دیوار بنائی تھی، اُس دیوار کی بنیاد کس طرح ڈالی گئی تھی، ایک مسلمان مورخ لکھتا ہے کہ پہلے تو راجاؤن اور ہندوون کی تمام کتابین اور پوتھیان جمع کرائی گئین، انبار عظیم (بڑا بھاری ڈھیر) ہوگیا، تو ان سب کو دیوار کی بنیاد مین دبادیا گیا، دیوار کی چنائی اس پر شروع ہوئی، ان کتابون کے ساتھ اس حُسن سلوک کا سبب وہی استاد ازل کا پڑھایا ہوا سبق اوس نے بھی سُنادیا تھا، جس کو معمولاً ایک دوسرے کے مخالف بتاتے رہتے ہین، یعنی ان مین تین قسم کی کتابین ہین، ایک تو بتون کی پرستش کے متعلق کہ اُنسے عالم گمراہ ہوجاتا ہی، معبود حقیقی اور اوسکی عبادت کو بھول جاتا ہے، دوسری نجوم اور جوتش کی، جن سی جہلا اور ضعیف العقل انسانون کا ایمان خراب ہوتا ہے، بالکل بندہ تو اور ستارہ بازون کے کہنے پر اعتماد و عمل کرنے لگتے ہین، تیسری، تواریخ، ان کی حالت و روش ہی نہ سر پیر کا ٹھکانا نہ حالات کا ٹھکانا، تمام مبالغہ اور فضول گوئی سے مملو، خرافات و لغویات کا ذخیرہ[3]،

اس الزام یا اتہام یعنی کتابون کے زیر زمین دفن کردینے کی نسبت یہ بندۂ ہیچمدان جو کچھ اب تک تلاش و تفتیش کرسکا اور جو کچھ اس کے بعد تحقیق کر پائے گا، اس پر ایک جداگانہ مقالہ جلد سے جلد موقع پر قدرشناس قارئین کے حضور مین پیش کریگا، توفیق ربانی رفیق و یاور ہو،

[1] ترجمہ صفحات ۹۵، و ڈکشنری صفحہ ۲۴۴ [2] ایضاً ص ۱۰۵ [3] ترجمہ واقعات کشمیر صفحات ۱۰۵ و ۱۰۶

ایک بیدار دل عزیز جو کشمیر کے متعلق خود راقم الحروف سے زیادہ واقفیت وخبر رکھتے ہین
پوچھتے ہین کہ ان سلاطین کے عہد یا زیادہ وسیع واحاطہ کن معنی مین، مسلمانون کی حکومت کے زمانہ
مین کشمیر کے دفاتر کس زبان مین رہتے تھے، ہندی، سنسکرت یا فارسی مین"؟ وقت کا سوال ہے،
اسی سلسلہ مین تفصیل سے جواب عرض کرونگا،

ہمہ رد، وقائع نویس قلم انہی دو باتون کو حوالۂ کاغذ کر دینے پر اکتفا نہین کرتا، بلکہ
سلاطین کشمیر کے متعدد ایسے سوانح تحریر کرنا چاہتا ہے جو غیر معمولی ہین، (عجائب وغرائب
افعال) کے تحت مین آتے ہین، جن سے اُن کی خدا پرستی، خداترسی اور دین داری وراسخ
الایمانی ثابت ہوتی ہے،

کشمیر کا بادشاہ سلطان قطب الدین سادات کرام کا بالخصوص حضرت میر سید علی ہمدانی
کا نہایت معتقد اور سچا پیرو تھا، شریعتِ اسلامی مین بہ یکوقت دو بہنون کا کسی ایک مرد کی زوجیت
مین رہنا منع وحرام ہے، حلت وحُرمت کی تفصیلات کی ناواقفیت سے قطب الدین ایسا
کر چکا تھا، مرشد نے آگاہ کیا تو فوراً ایک کو طلاق دیدی، کشمیر مین اس وقت تک مسلمانون کو
تمامی مسائل شرعی سے واقفیت نہین تھی، جیسا کہ مصنفِ اعظم لکھتا ہے "نواہی واوامر اور دیگر
احکام دینی کی پوری اشاعت ہی نہین ہونے پائی تھی، رواج کے مطابق بادشاہ بھی ہندوؤن
کا سا پہناوا پہنتا تھا، بتایا گیا تو یہ بھی موقوف کیا، پوشاک بدلی گئی، ہندوؤن اور مسلمانون کے
لباس مین اسی دن سے فرق کر دیا گیا،[۱]

کشمیر کے دیندار ونصفت شعار بادشاہون مین سے ایک غازی شاہ بھی تھا، (تخت نشینی
۹۶۲ھ مطابق ۱۵۵۴ء) استعفاے سلطنت ۹۷۱ھ مصادف ۱۵۶۳ء وفات ۹۶۹ھ م (۱۸۶۱ء)

[۱] صفحات ۹۰، ۹۰، ۹۰،

اس کے بیٹے حیدر خان نے کمین سے دو چار بیر بلا اجازت یا زبردستی اٹھا لئے، ابھی ان کو منہ
مین بھی نہین ڈالا تھا، کہ غازی شاہ کو خبر ہو گئی، عدل وانصاف سے حدِ شرعی جاری کی، فرزند
دل بند کا ہاتھ کٹوا دیا، حیدر خان کا یہ اذیت ورنج اٹھانا پھر باپ سے جدائی اختیار کر لینا مقتضاے
جبلتِ بشری تھا، حیدر خان کا خالو محمد ملک بھی اس کو نصیحتین کیا کرتا تھا، اس نے بڑا مانا، اور
اس جہان کو خالو جان سے خالی کر دیا، حیدر خان سوار ہو کر چل دینے کو تیار تھا، کہ ماں نے قسمین
دلا دلا کر روکا، الٹا پھرا، غازی شاہ کی آتشِ غضب اور بھڑکی، عیدگاہ کی راہ مین منظرِ عام
پر اسکو سولی دلادی "اولاد نا اکباد نا" کا اثر یہ تھا کہ عیدگاہ کے راستہ سے جب کبھی گذرتا تو منہ
پھیر لیتا تھا، جگر ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا تھا،[۱]

کشمیر کے چک حکمران خاندان والون مین بعض بعض بڑے شجاع وتہمتن گذرے ہین،
انہی مین سے ایک ملک دولت چک تھا، جو تیر اندازی، طاقتِ جسمانی وتنومندی مین اپنا
جواب نہین رکھتا تھا، اس کا تیر دو کوس کے فاصلہ تک جاتا تھا، ایک روز ایک شہتیر کو جو چالیس
گز لمبا اور دو گز مدوّر تھا، سو آدمی اپنی مجموعی طاقت سے چھت پر چڑھانے کے لئے کھینچ رہے
تھے، اتفاقاً شہتیر ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، ملک کے سر پر آیا، ملک فوراً سنبھلا، بایان ہاتھ زمین
پر جمایا، داہنے ہاتھ سے شہتیر کو سنبھالا، اس مین جلدی سے رستے باندھ دیئے گئے، دیکھنے والے
گواہ ہین کہ ملک کا بایان ہاتھ زمین مین آدھ گز گھس گیا تھا، جب اوس نے شہتیر کو سنبھال
پایا تھا، وہ جس وقت کھڑا ہوتا تھا، تو اوس کے دونون ہاتھ زانون تک پہونچتے تھے، ایک
مرتبہ شیر خان سوری کے حضور مین ہاتھی کی دم پکڑ لی تھی، ہاتھی مست تھا کسی کوچہ سے گذر
رہا تھا، ملک نے اپنے دونون پاؤن اس زور سے جما دیئے تھے کہ ہاتھی ہل بھی نہ سکا،[۲]

[۱] صفحات ۱۴۹، ۱۵۰، [۲] صفحات ۱۴۳، ۱۴۴،

منتخب التنقیح الاخبار[1] مین راجہ کندن لال اشکی میر منشی سلطنت اودھ نے کشمیر کا بھی تھوڑا سا حال تحریر کیا ہے، لیکن والیانِ کشمیر کی جو جدول تیار کر دی ہے، وہ پوری اور لائق اعتماد ہے، حوالہ یا مراجعہ کے لئے مفید و کار آمد ہے، البتہ بعض راجاؤن کے نام کی صحت مین یہان بھی ویسی ہی دشواری پیش آتی ہے، راجہ صاحب نے ایک نئی بات لکھی ہے، جو کشمیر کی کسی اور فارسی تاریخ مین نظر سے نہین گذری، دلنواز جو پچاس سال فرمانروا رہا تھا، ۲۰۸۷ سنہ مین سانپ کی صورت مین مسخ ہو گیا، اور مسند خالی کی، ولایتِ کشمیر مین انتیس (۲۹) مسلمان بادشاہ ہوئے جن کی مدتِ سلطنت مجموعاً ۲۳۰ سال ہوتی ہے، آلِ تیمور مین سے گیارہ شہنشاہون نے ایک سو اکیاون برس تک حکمرانی فرمائی، ان کے بعد چار کس مرزبانانِ افاغنہ کا نام آتا ہے، سنہ ۸۰۰ھ (۱۳۹۷ء) مین تیمور سے سکندر نے صلح کر لی تھی،

ابھی کچھ اور تاریخون کا پتہ چلانا باقی ہے، مگر مین ڈزریلے (Disraeli) کا ہم آہنگ و ہم نوا نہین، اس کا قول تھا کہ انسان حالات اور اتفاقات کا بندہ نہین ہے بلکہ حالات اور اتفاقات انسان کے بندے ہین، اسی کا ایک ہم وطن و ہم خیال دانشمند ڈاکٹر جانسن کہا کرتا تھا کہ ہمت اور فتح لازم و ملزوم ہین، مجھ ایسے ضعیف و منکوس انسان کو ان سب عطایائے فطرت کے عوض بڑھاپا صرف متھور "بڑھاپا" ملا ہے، یہ اسی کا فیضانِ خاص ہے کہ جو کچھ اوپر حوالۂ قلم کیا گیا ہے، سراسر بے سلسلہ و بے ربط ہے،

عرضِ مکرر:-

من بہ سرمنزل عنقا نہ بخود بُردم راہ
قطع این مرحلہ با مُرغ سلیمان[2] کردم

[1] مطبوعہ ۱۲۶۵ھ، چھاپا خانہ حاجی ولی محمد، نمبری سلطان المطابع، صفحات ۶۴ و ۶۵، [2] معارف

تلخیص و تبصرہ

مغل حکمرانون کی بادشاہت کا تخیل

مندرجۂ بالا عنوان سے ڈاکٹر بنارسی پرشاد ام۔ اے، پی۔ ایچ، ڈی (الہ آباد یونیورسٹی) کا ایک مقالہ صوبہ متحدہ کی ہسٹاریکل سوسائٹی کے رسالہ مین شائع ہوا ہے، گو ہم کو اس مقالہ کے اکثر خیالات سے اتفاق نہین ہے، لیکن مغلون کے تصورِ بادشاہت کے متعلق ایک ہندو اہلِ قلم کی دماغی موشگافیان معلوم کرنے کے لئے اسکی تلخیص درج کیجاتی ہے،

ہندوستان کے مغل حکمرانون کی بادشاہت کا تخیل سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی پہلوؤن پر مشتمل تھا، اور اس تخیل مین حالات اور زمانہ کے لحاظ سے غیر معمولی ترمیم اور تنسیخ ہوتی رہی، کیونکہ مغلون نے ہندوستان مین تقریباً دو صدی تک حکومت کی، اور اس مدت مین بہت اہم انقلابات ہوئے، جن سے مغلون کی بادشاہت کا تخیل بھی وقتاً فوقتاً متاثر ہوتا رہا، اسلئے ان بادشاہون کی حکمرانی کے تخیل کا صحیح مطالعہ کرنے کے لئے اس عہد کی سیاست، معاشرت، ثقافت اور مذہب کے چارون پہلوؤن پر ایک ساتھ عمیق نظر ڈالنے کی ضرورت ہے،

بابر جب ہندوستان مین داخل ہوا تو یہان کی سیاسی فضا مین گویا بجلی کوند رہی تھی شمال مین لودیون کی قوت و قیادت اور راجپوتون کے نظام جاگیرداری مین اقتدار کی جنگ جاری تھی، جنوب مین بہمنی خاندان کی شاخین زوال پذیر وجیا نگر سے متصادم تھین، پانی پت کے فاتح کے

سامنے یہ تمام حقائق تھے، جن کو وہ نظر انداز نہین کرسکتا تھا، لودیون کی قوت اور قیادت پر تو اوس نے ضرب کاری لگائی، لیکن راجپوتون پر اسکی یورش کامیاب نہین ہوئی، اور گو آگرہ مین اوس نے اعلان حکومت کردیا، لیکن اسکو خود احساس تھا کہ اسکی حکومت کی بنیاد کمزور ہے، اسکے اردگرد ایسی آبادی تھی، جس کے مقتدر افراد اس کے خلاف ہمیشہ معاندانہ رویہ اختیار کرنے پر تیار بیٹھے تھے، اسکو اپنے حامیون اور سپاہیون پر بھی پورا اعتماد نہ تھا، کیونکہ وہ ہندوستان کی فتح کو صرف اس نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہتے تھے، کہ اس مین ان کو زیادہ سے زیادہ مال غنیمت ملے، بابر کے لئے یہ کٹھن وقت تھا، اوس نے اپنے اقتدار اور سطوت کو برقرار رکھنے کی خاطر شراب سے توبہ کرکے غازی کا لقب اختیار کیا، اور پھر اپنی غیر معمولی صلاحیتون کی بنیاد پر کامیابی کی شاہراہ پر گامزن ہوگیا، اس کو سولھوین صدی کا معمار سلطنت کہا گیا ہو،

بابر نے غیر معمولی فتوحات حاصل کین، اور مطلق العنان بادشاہ ہوا، گو اسکی مطلق العنانی بہتر قسم کی تھی، ہمایون کو ایک بار ۱۵۲۹ء مین بابر نے لکھا کہ بادشاہت سی زیادہ کوئی اور قید صبر آزما نہین، لیکن اسکی یہ تحریر اس بات کی ضامن نہین ہوسکتی ہی، کہ وہ اپنی بادشاہت کے زمانہ مین رعایا کے حقوق اور فلاح وبہبود کی غیر معمولی ذمہ داری محسوس کرتا تھا، اس کے سامنے بادشاہت کا ایک خاص تخیل تھا، جس کی قید وبند کا اظہار اس نے مذکورہ بالا الفاظ کے ذریعہ کرنیکی کوشش کی، اور یہ تخیل اوس زمانہ کے حالات کے مطابق تھا،

بابر کے ذہن مین موروثی بادشاہت کا تخیل تھا، جس مین مذہبیت کا کوئی شائبہ نہ تھا، لیکن ضرورت کے وقت اوس نے مذہب سے بھی فائدہ اوٹھایا، اوس نے بادشاہ کا لقب اختیار کیا، جس سی یہ خیال کیا جاتا ہے، کہ اس نے حکمرانی اور بادشاہت کے تخیل مین کوئی نیا عنصر پیش کرنے کی کوشش کی، لیکن دراصل اوس نے کوئی نئی بات پیش نہیں کی، وہ ایرانیون کی تقلید مین لقب

اختیار کرنا چاہتا تھا اسلئے شاہ کے بجائے پادشاہ کا لقب اختیار کرلیا، اس لقب سے بادشاہت کے نظریہ مین کوئی سیاسی تغیر ظہور پذیر نہین ہوا، بابر ہندوستان مین ایک سپاہی اور فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا، اسکی زندگی زیادہ تر میدان جنگ مین گذری، اس کے لئے اتنا موقع ہی نہ تھا کہ وہ بادشاہت کے نئے تخیل کے متعلق غور و فکر کرتا، چنانچہ اسکی بادشاہت مطلق العنان رہی لیکن ضرورت کے وقت اپنے امرار کو مطمئن کرنے کے لئے ان کے مشورون کے سامنے سر تسلیم بھی خم کردیتا تھا،

ہمایون مین اپنے باپ کی بادشاہت کے تخیل کو ترقی دینے کی صلاحیت مطلق نہ تھی، وہ اپنے امرا کی راے کا احترام بہت زیادہ کیا کرتا تھا، بابر نے اس کو ایک بار نصیحت کی تھی، کہ وہ اپنے قول و عمل مین اپنے بہی خواہون کے مشورون کا ضرور لحاظ رکھے، اس نصیحت پر وہ برابر عامل رہا، اس کے بہی خواہون مین زیادہ تر امرا رہی تھے، بابر کے زمانہ مین بادشاہت مطلق العنان ہورہی تھی، لیکن ہمایون نے اپنی سلطنت کے ٹکڑے کرکے اسکو بھائیون مین تقسیم کردیا، پھر انہی بھائیون نے اس کے خلاف جارحانہ اور معاندانہ روش اختیار کی، ان دو باتون سے اسکی مطلق العنان بادشاہت پر ایک شدید ضرب لگی، لیکن یہ کہا جاسکتا ہی کہ ہمایون نے اپنی بادشاہت مین انسانیت کی عناصر بھی شامل کئے، ایک موقع پر اس نے کہا کہ مین اپنے کو ہلاک کرڈالون گا، لیکن ایسی مصیبت کا باعث نہ ہونگا، اس سی ظاہر ہوتا ہی کہ اسکے ذہن مین ایسی بادشاہت نہ تھی، جو انسانیت کے تصور اور تخیل سے عاری ہو، اس لحاظ سی اوس نے بادشاہت کے تخیل مین جدت ضرور پیدا کی کہ اسکو آفتاب سے تشبیہ دینے کی کوشش کی، چنانچہ اپنے درباری ملازمون کو منطقۃ البروج کے بارہ نشانات کی طرح بارہ حصون مین تقسیم کیا، خوندمیر اس کو جامع سلطان حقیقی و مجازی اور "حضرت پادشاہ ظل الٰہی" کے لقب سے یاد کرتا ہی گو بادشاہ ظل الٰہی کا تخیل ہندوستان کے لئے نیا نہ تھا، مغلون

سے پہلے بعض سلاطینِ دہلی الامام الاعظم خلیفۂ رب العالمین قطب الدنیا والدین جیسے القاب اختیار کرچکے تھے،

اکبر کا تخیلِ بادشاہت بالکل سیاسی تھا، جس مین کچھ مذہبی افسانویت کا رنگ بھی شامل تھا، اس زمانہ مین خلافت ایک سیاسی اور مذہبی ادارہ کی حیثیت سے مردہ ہوچکی تھی، اکبر کو پیشرو خلیفہ کی سیادت سے منہ موڑ چکے تھے، ایران مین صفوی خاندان کے حکمران مذہب اور سیاست مین کسی کی تقلید نہین کرتے تھے، اور اپنے کو کسی سے فروتر نہین سمجھتے تھے، ہندوستان کے چغتائیون نے بھی یہی رویہ اختیار کیا، بابر اور ہمایون تو اسکی ابتداء نہ کرسکے، لیکن اکبر نے اسکی طرف قدم بڑھایا، اکبر کی سیاسی فتوحات اور اس عہد کے علماء کی بے اعتدالیان اس کے حصولِ مقصد مین معاون ہوئین، جس سے گو پوری سلطنت مین ایک انتشار پیدا ہوگیا، لیکن اکبر نے اپنے مقاصد کی تکمیل کرلی، وہ بادشاہ کے ساتھ اپنے کو خلیفہ بھی تسلیم کرانا چاہتا تھا، اس کے اس تخیل کی تشریح ابو الفضل نے اکبر نامہ اور آئینِ اکبری مین جا بجا کی ہے، وہ بادشاہت کو کبھی ایک نور کہتا ہے جو اللہ کی طرف سے ودیعت ہوتا ہے، اور کبھی اسکو وہ آفتاب کی شعاع کہتا ہے، جس سے کائنات روشن ہوتی ہے، اسی بناپر اکبر کے تخیلِ بادشاہت مین بنی نوع انسان کی بادشاہت تھی، جس کے ماتحت ہندو اور مسلمان یکسان حیثیت رکھتے تھے، لیکن یہ سوال کیا جاسکتا ہے، کہ جب وہ اپنی قوت و شوکت کے ذریعہ سے بہ آسانی مسلمانون اور ہندوؤن کا سیاسی بادشاہ ہوسکتا تھا، تو اوس نے اپنی بادشاہت کو پیچیدہ اور مغلق بنانے کی کوشش کیون کی، اس کا جواب یہ ہے کہ اکبر اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے صرف دنیاوی جاہ و جلال ہی کو کافی نہ سمجھتا تھا، بلکہ اپنی مطلق العنانی کو جائز قرار دینے کے لئے اخلاق اور فلسفہ کی آڑ مین بھی پناہ لینا چاہتا تھا، چنانچہ اس نے اپنے خیالات اور گذشتہ روایات اور زمانہ کے واقعات مین تطبیق دینے کی کوشش کی، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اکبر

کی بادشاہت مین خیالات کے تین دھارے ملے ہین، یہ دھارے مسلمانون، مغلون اور ہندوؤن کے خیالات کے ہین جن مین آمیزش کے رجحانات پیدا ہو رہے تھے، اکبر نے ان کو ملا کر مغل حکمران کی بادشاہت کا ایک بلند تخیل پیش کیا،

جہانگیر نے اکبر ہی کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی، گو وہ اکبر کے تخیلِ بادشاہت مین کسی قسم کی ترقی نہین دیسکا، اسکی تزک مین ایسے خیالات ہین جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کو خدا کی جانب سے اس بات کے لئے مامور سمجھتا تھا، کہ دنیا مین امن و امان قائم رکھے، ایک بار پرویز نے ایک خط مین اسکو مظہر الہی لکھا، تو اس پر اس نے کوئی اعتراض نہین کیا، بلکہ تزک مین اس کو خاص مسرت و انبساط کے ساتھ نقل کرتا ہے، اپنی بادشاہت کو نیم مذہبی رنگ دینے کے لئے تخت نشین ہونے کے بعد نور الدین کا لقب اختیار کیا، اس لقب سے انہی جذبات کا اظہار ہوتا ہے، جو اکبر کی اللہ اکبر اور جل جلالہ سے ظاہر ہوتے تھے، لیکن سولھوین صدی کے اختتام پر جہانگیر کی بادشاہت مین غیر مذہبی رنگ پیدا ہوگیا، کیونکہ اس زمانہ مین ملک مین مذہب کا استیلا بڑھ گیا تھا، اسی کیساتھ علما کے اقتدار مین روز افزون ترقی ہونے لگی تھی، اکبر نے اپنے زمانہ مین علما کو مغلوب کر رکھا تھا اور ان کو نظر انداز کرنے کے خیال سے اوس نے خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا تھا، لیکن جہانگیر کے زمانہ مین انھون نے پھر رسوخ حاصل کرلیا اور انہی کی کوشش سے دربار مین سجدہ کرنے کی رسم بند ہوگئی،

جہانگیر کے تخیلِ بادشاہت کو اسکی سیاسی ناکامیون سے بھی صدمہ پہنچا، وہ ملکی فتوحات مین بھی اکبر کے نقشِ قدم پر چلنا چاہتا تھا، مگر دونون مین فرق یہ تھا کہ ایک اپنے مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا، دوسرا تھوڑی سی کامیابی پر مطمئن اور قانع رہنا پسند کرتا تھا، جہانگیر نے اکبر کی طرح دکن اور میواڑ پر متعدد حملے کئے، لیکن اس کی ساری لڑائیان جوش اور سرگرمی سے بالکل خالی نظر آتی ہین، دکن مین تو ملک عنبر کو وہ آخر وقت تک مغلوب اور پسپا نہ کرسکا، وہ اپنے آبا و اجداد

کے اصلی وطن ماوراء النہر کو بھی تسخیر کرنا چاہتا تھا، تزک مین اس خیال کا اظہار بار بار کرتا ہی لیکن صرف اس کے جذبات تھے، جن کو باوجود غیر معمولی ذرائع کے عمل مین لانے سے قاصر رہا، جہانگیر کے تخیل بادشاہت مین ایک بات بہت ظالمانہ پیدا ہو گئی، اس کے خلاف جب خسرو نے علم بغاوت بلند کیا، تو اسکی تنبیہ کے لئے اس نے ہر قسم کی سزا کو جائز قرار دیا، حالانکہ بابر، ہمایون اور اکبر نے اپنے بھائیون کے مخالفانہ رویہ کے خلاف کوئی ایسا طرزِ عمل اختیار نہین کیا، جو انسانیت سے دور ہو، خسرو کے ساتھ جہانگیر نے ناروا سلوک کی جو مثال قائم کی، اس سے بہت سے مہلک نتائج پیدا ہوتے رہے، جہانگیر کی مطلق العنانی پر اس کے امراء نے بھی ضرب لگائی، وہ امراء ہی کی مدد سے تخت نشین ہوا تھا، اس لئے اخلاقی طور پر اپنے حامیون اور مددگارون کو بہت سی ایسی مراعات عطا کین، جن کا لحاظ ان کو خود کرنا پڑتا تھا، وہ زیادہ محنت اور جفاکشی کا بھی عادی نہ تھا، اس لئے امراء کی قوت روز بروز بڑھتی گئی،

شاہجہان اپنے تمام حریفون کو تہ تیغ کر کے تخت پر بیٹھا، اور شہزادگی کے زمانہ کی کامیابیون سے مخمور ہو کر "صاحبقران ثانی" کا لقب اختیار کیا، جو اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اپنے اسلاف کو اپنے کارنامون سے تاریکی مین ڈالدینا چاہتا تھا، وہ شاہ ایران سے کچھ مشکوک اور خوفزدہ بھی تھا، اس لئے ایران کو مرعوب کرنے کے لئے اوس نے پُر تمکنت لقب اختیار کیا، اسکی طبیعت مین شان، شوکت اور شکوہ کے تمام عناصر موجود تھے، اس لئے یہ لقب اوس کے تخیل بادشاہت کے مطابق تھا، وہ دکن کی ریاستون کو بھی جو اکبر اور جہانگیر کی قوت اور سطوت سے زیر نہ ہو سکی تھین اسی لقب کی آڑ مین مغلوب کرنا چاہتا تھا، کیونکہ بہمنی خاندان کا ایک حکمران صاحبقران تیمور کے سامنے سر تسلیم خم کر چکا تھا، معاصر مورخون نے شاہجہان کو ایک اعلیٰ قسم کا مسلمان بادشاہ لکھا ہی، اسکی وجہ یہ بتائی جاتی ہی کہ اوس نے سنہ الٰہی اور رسم سجدہ کو موقوف کر دیا، مذہبی پیشواؤن کی

سرپرستی کی، سیاست اور تدبر کو مذہب پر کسی حال مین فوقیت نہین دی، وہ رعایا کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتا تھا، وغیرہ، لیکن یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہی کہ شاہجہان کی بادشاہت مین کوئی مذہبی تخیل نہ تھا، گو یہ تخیل مذہب کے اثر سے خالی نہ تھا، اپنی حکومت کے ابتدائی پچیس سال مین وہ اپنی رائے ہی کو اپنا رہنما سمجھتا تھا، اور اپنی حکیمانہ شخصیت اور گوناگون تجربات کی بنا پر حکومت کے تمام کامون پر حاوی رہتا تھا، لیکن آخری زمانہ مین مجبور محض ہو کر رہ گیا تھا، اس مین اقدام کرنے کی صلاحیت باقی نہین رہ گئی تھی، اس لئے امراء کے مشورون کا محتاج رہتا تھا، اور ان ہی کی حمایت اور مخالفت پر سلطنت کے اہم امور کی کامیابی اور ناکامیابی کا انحصار ہو گیا تھا، چنانچہ شاہجہان کے آخری ایام حکومت مین بادشاہت مطلق العنان تو ضرور تھی لیکن اسکی اصلی اسپرٹ مفقود ہو گئی تھی، مغلون کی شاہانہ سطوت ختم ہو رہی تھی، اورنگزیب انہی حالات مین تخت نشین ہوا،

اورنگزیب نے تمام حالات کا مطالعہ کر کے اپنی بادشاہت کے تخیل کو ترتیب دیا، گذشتہ عہد کی خوشحالی نے ایک طرف لوگون کو عیش پسند اور کاہل بنا دیا تھا، دوسری طرف بعض فرقون مین آزادی کا جذبہ پیدا ہو گیا تھا، اور وہ اپنے حصولِ مقصد کے لئے موقع کے انتظار مین تھے، اس لئے جانشینی کی جنگ کے سلسلہ مین بہت سی جماعتین ابھر آئین، ہر جماعت کو اپنے امیدوار سے ہمدردی تھی، ان امیدوارون مین دارا سب سے زیادہ ہردلعزیز تھا، وہ آزاد خیال اور اعتدال پسند تھا، لیکن اس مین اس کی صلاحیت مطلق نہ تھی، کہ اپنے حامیون کو اپنا ہم نوا بنا سکے، اس لئے اس کی جماعت مین اعتدال پسندی اور آزاد خیالی پیدا نہ ہو سکی، اورنگزیب دارا اور اس کے عقائد کی بیخ کنی چاہتا تھا، لیکن وہ واقعات پر بھی نظر رکھتا تھا، اوس کو احساس تھا، کہ امراء وقت پر دھوکا دے سکتے ہین، اسکے سامنے امراء کے ساتھ اسکی فوج کی غداری کی بھی مثال تھی، اس مسموم فضا مین اپنی بادشاہت کو برقرار

دکھنے کی خاطر اوس نے مذہب کی آڑ مین پناہ لی، چنانچہ اوس کے تخیلِ بادشاہت مین مذہبی رنگ محض حالات و واقعات پر مبنی تھا، حالانکہ وہ اکبر سے زیادہ شہنشاہیت پسند تھا، اکبر مطمئن تھا کہ شمالی ہند ایک سلسلہ مین منسلک ہوکر اوس کے ماتحت ہوگیا ہے، راجپوت اور دکنی بھی اسکی قوت و سطوت کو تسلیم کرتے ہین، لیکن اورنگزیب تمام ہندوستان کو اپنے زیرِ نگین رکھنا چاہتا تھا، وہ کسی ایسی ریاست کو برداشت نہین کرسکتا تھا، جہان نظام جاگیرداری ہوا نئی شہنشاہیت کی تکمیل مین وہ ہندؤن کو بڑی رکاوٹ سمجھتا تھا، اور یہ صحیح تھا۔ ہندو مختلف مرکزون مین تقسیم تھے، اس لئے انکی قوت پر کاری ضرب لگانا آسان نہ تھا، اور اب ان مین معاشرتی مذہبی اور ذہنی نہضت کا آغاز ہو رہا تھا، اس لئے ان کی مخالفت اورنگزیب کے لئے بیحد پریشان کن تھی، دکن کی لڑائیون کی وجہ سے شیعون کا رویہ بھی اس کے خلاف تھا، ان حالات مین اورنگزیب کا اعتماد اور بھروسہ صرف سنیون ہی پر رہ گیا تھا، اس لئے ان کو خوش کرنے کے لئے اس نے وہ تمام حقوق اور مراعات دیدیئے، جن سے حکومت مین ایک قسم کا مذہبی رنگ پیدا ہوگیا، اور ہندؤون کے خلاف خود بخود ایک جارحانہ طرزِ عمل کا آغاز ہوگیا، وہ اب تک "زندہ پیر" اور "پیر دستگیر" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ایک مسلمان حکمران تھا، حالانکہ یہ صحیح نہین، وہ اپنے اسلاف ہی کی طرح ایک سیاسی حکمران تھا، ایک موقع پر اس نے ایک درخواست پر یہ تحریر کیا، کہ دنیاوی معاملات کا تعلق مذہب سے نہین ہوتا، نظام حکومت کو قائم رکھنے کے لئے تعصب کو دخل نہین دینا چاہئے، ہر شخص اپنے مذہب مین آزاد ہے، ایک اور موقع پر تحریر کیا، کہ "اگر اس روش پر قائم ہوجاؤن تو سارے ہندو راجاؤن کا استیصال کرنا پڑے، جو اس کے خیال مین مناسب نہ تھا،

اسکی حکمرانی کے صحیح جذبہ کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے، کہ ایک جنگ مین چار مسلمان

اور نو ہندو قید ہوئے تو اوس نے قاضی سے ان کے متعلق فتوی طلب کیا، قاضی نے حنفی فقہ کے مطابق یہ فیصلہ صادر کیا، کہ ہندوؤن کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا جائے، اور مسلمانون کو تین سال تک قید مین رکھا جائے، مگر اورنگزیب کو اس سے تشفی نہ ہوئی، اوس نے کہا کہ فقہ کو شیعون کے مسلک کی طرح سخت نہین ہونا چاہئے، چنانچہ اسکی خواہش کو ملحوظ رکھتے ہوئے مفتیون نے "فتاویٰ عالمگیری" سے یہ فتوی دیا کہ ہندو اور مسلمان دونون تہ تیغ کردیئے جائین، اور اورنگزیب نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر کی،

مذکورۂ بالا تفصیلات سے مغلون کے تخیلِ بادشاہت کا اندازہ ہوگا، یہ تخیل محض زمانہ کے حالات و واقعات پر مشتمل تھا، اور اس مین محض دنیاوی رنگ تھا، اور کبھی کبھی مذہب کا جزو بھی شامل ہوجاتا تھا، اسکی نمایان خصوصیت شہنشاہیت تھی، لیکن موجودہ دور کی شہنشاہیت کی طرح اس کا مقصد محض فائدہ اٹھانا نہ تھا، مغل بادشاہ مطلق العنان ضرور تھے، لیکن اپنے قول کے سچے تھے، وہ جو کہتے تھے، ان کو عمل مین لانے سے پرہیز نہین کرتے تھے، رفتارِ زمانہ سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے، کہ فرمانروائی اور اقتدار لازم ملزوم ہین، اور پھر ایک ہی فرد کے ہاتھون سے دونون کو تسکین ہوتی ہے، اس لحاظ سے مغلون کی مطلق العنانی کو حق بجانب کہا جاسکتا ہے،

"ص ع"

تاریخ الہ آباد جلد اول

مولوی مقبول احمد صاحب صمدنی کے قلم سے الہ آباد کی یہ محققانہ تاریخ ہے، اس جلد مین الہ آباد کی وجہ تسمیہ، اسکی قدیم تاریخ، شہزادہ خسرو اور خسرو باغ کی تعمیر، اس کے مقابر و مآثر اور اسکے آسودگان خاک کے حالات کی تفصیل ہے، مغلون کے عہد کے اور بہت سے مفید اور قیمتی معلومات آگئے ہین، اسلئے یہ کتاب شاہجہانی اور جہانگیری عہد کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہے، قیمت للعمر

پتہ مولوی مقبول احمد صاحب صمدنی یحیٰی پور، الہ آباد "منیجر"

اخبار علمیہ

سندھ کی جامعہ عربیہ

سندھ کے چند سر برآوردہ علما اور قومی کارکنون کی متحدہ کوششون سے کراچی مین ایک جامعہ عربیہ قائم ہوئی ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان طلبہ کو مذہبی تعلیم کیساتھ صنعت و حرفت کی بھی تعلیم دیجائے، تاکہ وہ موجودہ زمانہ کے مطابق کامیاب زندگی بسر کرسکین، صنعت و حرفت کے نصاب مین نجاری، آہنگری، خیاطی، جوتا سازی، جلدسازی، بنائی، رنگائی، اور زراعت کی تعلیم شامل ہے، زراعت کیلئے وسیع پیمانے پر زراعتی فارم بھی کھولا جارہا ہے، جہان طلبہ فرصت کے اوقات مین کام کرین گے، کارکنان جامعہ کے پیش نظر ایک تبلیغی ادارہ کا قیام بھی ہے، جس مین عیسائی مبلغون اور پرانے مسلم داعیون کے اصول پر مسلمان مبلغین تیار کئے جائین گے، قدیم اور جدید کتابون کی طباعت اور اشاعت کے لئے جامعہ مین طباعت کا بھی انتظام ہوگا، اور اس سے متعلق ایک کتبخانہ بھی ہوگا، جس مین عربی، فارسی اور سندھی زبان کے قلمی نسخون، نادر تصانیف اور دوسری نئی اور پرانی کتابون کا ایک قابل قدر ذخیرہ ہوگا، تصنیف و تالیف کا بھی ایک ادارہ ہوگا، جو یونیورسٹی، اس سے ملحق مدارس اور عام لوگون کی واقفیت کے لئے مفید کتابین تیار کریگا، اس جامعہ کا سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ یہان ایسے نوجوان مسلمان پیدا کئے جائین جو ذہنی اور روحانی اعتبار سے اس قابل ہون کہ اپنی قوم کو مختلف خطرون سے بچا سکین، گویا یہ یونیورسٹی

مسلمانون کی تنظیم کا مرکزی ادارہ ہوگا، جو مسلمانون کو ہر طرح سنوارنے کی کوشش کریگا،

اب تک اس جامعہ سے چونتیس مدارس ملحق ہو چکے ہین، اور نئے مدرسے قائم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اسکی مدت تعلیم سولہ سال ہوگی، جس مین ابتدائی، ثانوی اور اعلیٰ تعلیم سب شامل ہے، اس کا معیار علی الترتیب بمبئی یونیورسٹی کے میٹرک، بی اے، اور ایم اے کے برابر ہوگا، اس کا نصاب اس کے مدرسون مین اپریل ۴۲ء سے جاری ہو جائے گا، اس نصاب کو کامیاب بنانے کے لئے استادون کا ایک مدرسہ بھی قائم کیا جارہا ہے، جہان ایسے اساتذہ تیار کئے جائین گے، جو قرآن اور اسلام کی بنیادی تعلیم سے پوری واقفیت رکھتے ہون، یہ بھی خیال ہے کہ جب جامعہ مالی حیثیت سے مستحکم ہوجائے گی تو سائنس کے شعبہ کا بھی اضافہ کیا جائے گا،

مجلس تاریخ اسلام کا پہلا اجلاس

چند ارباب علم نے اس سال مجلس تاریخ اسلام کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد رکھی ہے، اس کا پہلا اجلاس اسلامیہ کالج لاہور مین ڈاکٹر سر ضیاء الدین وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی صدارت مین ہوا، اسمین حسب ذیل مقالات پڑھے گئے :-

(۱) "ہندوستان کی تاریخ کو از سر نو لکھنے کی ضرورت ہے" ڈاکٹر مہدی حسین آگرہ کالج (۲) "پہلی صدی ہجری مین مسلمانون کا علمی رجحان" مولانا سعید احمد اڈیٹر برہان دہلی (۳) "ریاضی اور مسلمان" ڈاکٹر ضیاء الدین پنجاب یونیورسٹی (۴) "ہندوستان کے اسلامی عہد مین تعلیم" مخدومی صاحب سنٹرل ماڈل اسکول لاہور (۵) "مسلمانون کا نظام تعلیم" ڈاکٹر تصدق حسین پنجاب یونیورسٹی (۶) "خلافت اور سلطنت" ڈاکٹر امیر حسن صدیقی علی گڈھ (۷) "اسلامی سلطنت کے خلاف بغاوت کے نظریات" پروفیسر محب الوطن صاحب ایم اے، او کالج امرت سر (۸) "سنہ ۱۱۹۸ء سنہ ۱۱۹۹ء مین پنجاب پر مسلمانون کا حملہ" ڈاکٹر گپتا، ایف سی کالج لاہور (۹) "علاء الدین خلجی" پروفیسر خواجہ صفدر علی

سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور (۱۰) "ابن جبیر اور اسکی سیاحت" ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ گورنمنٹ کالج لاہور (۱۱) "فقیر عزیزالدین" پروفیسر لاجپت رای دیال سنگھ کالج لاہور (۱۲) "مغل بادشاہون کا نظام عدالت" محمد اکبر صاحب ایم اے

بعض نفسیاتی تجربات

یورپ کا ایک ماہر نفسیات پروفیسر سائرل برٹ (Cyril Burt) عورتون اور مردون کا نفسیاتی مطالعہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہو کہ عورتین مردون سے زیادہ ذکی الحس ہوتی ہین، اس کا خیال ہو کہ اگر ایک عورت کے بازو پر ایک انچ مین دو جگہ سوئی چبھوئی جائے، تو وہ اوس کے فاصلہ کو محسوس کریگی، اس کے مقابلہ مین اگر مرد کے چبھوئی جائے تو وہ اسوقت تک تمیز نہ کر سکے گا، جبتک کہ اس کا فاصلہ ڈیڑھ انچ نہو

اس کا یہ بھی تجربہ ہو کہ اگرچہ عورتون کو کھانا پکانے اور خوشبوؤن کے استعمال کا خاص ذوق ہوتا ہی، مگر مرد کھانے کا ذائقہ اور مختلف خوشبوؤن کی تمیز مین عورتون سے برتر واقع ہوئے ہین، مردون کے مقابلہ مین عورتون کی نگاہ دور اور نزدیک کی چیزون کے دیکھنے مین کمزور ہوتی ہو اور انھین چشمہ کی ضرورت پڑتی ہو، لیکن ہزار مین شاید ہی ایک عورت ایسی ہوگی جو رنگون کی نابینا ہوگی، برخلاف اس کے تیس مردون مین ایک مرد رنگون کا نابینا ضرور ہوتا ہی،

جہانتک ذہانت کا تعلق ہو عورتین مردون سے زیادہ ذہین ہوتی ہین، ایسی عورتین بہت کم نظر آئین گی، جو احول ہون، یا ان کی زبان مین لکنت ہو، وہ بین ہتھی بھی شاذ و نادر ہی ہوتی ہین، اس مین شک نہین، کہ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ اکثر اہم اہم تاریخی شخصیتون مین مشکل سے پچپن عورتین نمایان نکلین گی، لیکن اگر ملزمون مجنونون اور ضعیف العقل لوگون کی تعداد پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا، کہ ان مین عورتین کم اور مرد زیادہ ہین،

"س"

ادبیات

جذبِ مجذوب

از

جناب خواجہ عزیز الحسن صاحب غوری مجذوب پنشنر انسپکٹر مدارس یوپی،

دیکھا نہ زمانہ مین مجذوب سا مستانہ — فرزانہ کا فرزانہ دیوانہ کا دیوانہ

ہو نور سے پُر ساقی ہستی کا یہ خانہ — کر دیدہ و دل روشن لا شیشہ و پیمانہ

اللہ تری قدرت مسجد مین ہی میخانہ — صورت مری سنجیدہ سیرت مری رندانہ

مسجد سے چلے آئین سب جانب میخانہ — ہے بعد اذان اے دل اک نعرۂ مستانہ

ہے آمد و رفت اپنی اوس بزم مین روزانہ — اک در درِ توبہ ہے اک در درِ میخانہ

جی مین ہی چڑھا جاؤن میخانہ کا میخانہ — ہان ساقی دریا دل پیمانہ پہ پیمانہ

کہتا ہوا پھرتا ہے محشر مین یہ دیوانہ — یارب مرا ویرانہ یارب مرا ویرانہ

اتنی تو پلا ساقی اب اس سے بھی کیا کم ہو — لب ریز تو ہو جائے یہ عمر کا پیمانہ

ساقی نے بدل ڈالی دنیا مری ہستی کی — آنکھین ہین کہ میخانے دل ہو کہ پریخانہ

بس تاؤ نہ دے اتنا کر آنچ ذرا ہلکی — تیزی پہ ہے ساقی اڑ جائے نہ میخانہ

مجذوب کو جب دیکھا محفل کی طرف آتے

گھبرا کے پکار اُٹھے دیوانہ ہے دیوانہ

بیانِ حقیقت

از

مولانا قمر نعمانی سہسرامی

شکستہ خاطر نہ ہو مسافر اگر کوئی رہنما نہیں ہے
بلا کی تاریکیاں ہیں لیکن چراغِ دل تو بجھا نہیں ہے

کسی طرح اور کسی جگہ بھی تمھارا جلوہ چھپا نہیں ہے
جدھر بھی اٹھتی ہیں میری نظریں کہیں کوئی دوسرا نہیں ہے

یونہی سہی تم یہی سمجھ لو کہ اب کوئی مدعا نہیں ہے
تمھیں ہے کیوں اضطراب آخر جو میرا نالہ رسا نہیں ہے

یہ تیری ہی کم نگاہیاں ہیں کہ تنگ ہے اپنی زندگی سے
مگر تو فطرت کی بے نیازی سے آج تک آشنا نہیں ہے

وہ بے نقاب و حجاب آنا وہ طور پر بجلیاں گرانا
ابھی ہیں سب یاد وہ مناظر مری نگاہوں میں کیا نہیں ہے

بہت کیا اس پہ غور میں نے مگر سمجھ میں کبھی نہ آیا
اگر یہ دنیا ہے مری دنیا تو مجھ سے کیوں آشنا نہیں ہے

مجھے تو شکوہ نہیں بتوں کے ستم کا لیکن خیال یہ ہے
کہیں کوئی مجھ سے یہ نہ پوچھے کہ تیرا کوئی خدا نہیں ہے

ہزار زحمت ہزار آفت ترا تغافل ہے اور قیامت
مگر یہ اپنا ہے ظرف اب تک کہ ایک آنسو گرا نہیں ہے

مرا جنونِ وفا سلامت رہی نہ سود و زیاں کی کاوش
وفا کئے جا رہا ہوں دل سے سرِ مآلِ وفا نہیں ہے

زیادہ اس سے تلاش اسکی اب اور کیا سازگار ہوگی
میں ایسی منزل میں آگیا ہوں جہاں فنا و بقا نہیں ہے

ہے کوہ گل پوش، سبزہ وادی، چھڑا ہوا ہے ربابِ فطرت
مگر نہ ہونے سے اک تمھارے فضا مسرت فزا نہیں ہے

ہوئے ہیں کچھ تجربے بھی ایسے ترے کرم سے بھی بچتا رہا ہوں
نہ ہو تباہی کا جس میں ساماں وہ کوئی تیری ادا نہیں ہے

قمرؔ یہ ہستی ہے غم کی بستی اثر نہ لے اسکی گردشوں کا
کوئی بھی تجھ کو ملا ہے ایسا جو مبتلائے بلا نہیں ہے

بابُ التقریظ والانتقاد

"تاریخِ اسلام کے فیصلہ کن لمحے"

DECISIVE MOMENTS IN THE HISTORY OF ISLAM

مصنف :- محمد عبداللہ عنان مصری، ضخامت ۲۰۲ صفحے، کاغذ اور چھپائی بہتر، قیمت :- للعہ

ملنے کا پتہ :- شیخ محمد اشرف، کشمیری بازار، لاہور،

از مولانا مسعود عالم ندوی کٹیلاگر اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

محمد عبداللہ عنان مصر کے ایک ممتاز معاصر اہل قلم ہیں، اور علمی اور تاریخی موضوعوں پر ان کی تحریریں برابر نکلتی رہتی ہیں، عام مصری مصنفوں کے برخلاف ان کی کتابوں میں تحقیق اور چھان بین کی روح نمایاں ہوتی ہے، گو زبان کے لحاظ سے ان کی عربی تحریروں کی کوئی خاص حیثیت نہیں،

خوشی کی بات ہے کہ اب ایک ہندوستانی ناشر کے زیرِ اہتمام ان کی دو کتابیں انگریزی میں منتقل ہو کر منظرِ عام پر آئی ہیں، زیرِ قلم تحریر میں ان ہی دونوں کتابوں کا تعارف کرانا مقصود ہے، مترجم کا نام کہیں درج نہیں، شاید خود مصنف ہی نے ان کتابوں کو انگریزی کا لباس پہنایا ہے، بہر حال مترجم کوئی بھی ہو، ہمیں تو موضوع اور مواد سے بحث ہے،

زیرِ نظر کتاب میں مؤلف نے تاریخِ اسلام کے فیصلہ کن واقعات اور لڑائیوں کا جائزہ

لیا ہی اور غالباً اس حیثیت سے یہ اپنی قسم کی پہلی کوشش ہی، مصر ہی کے ایک معاصر عیسائی اہل قلم خاخیاز نے المعارک الفاصلۃ فی التاریخ لکھ کر ایک مثال تو ضرور قائم کی تھی، لیکن اس کو تاہ نظر کو دنیا کی پوری تاریخ میں ایک بھی ایسی فیصلہ کن جنگ نہین ملی، جس مین مسلمانون کا پلہ بھاری رہا ہو، برخلاف اس کے زیر نظر کتاب کے مصنف نے گو اپنا جائزہ اسلامی تاریخ تک محدود رکھا ہی، لیکن مسلمانون کی کمزوریون اور کوتاہیون کے بیان کرنے مین اوس نے جانبداری سے بالکل کام نہین لیا ہی، بلکہ الٹا خود اپنی بعض خوبیون کو وہ اچھی طرح اجاگر نہین کر سکے ہین، جہانتک اجمالی رائے کا تعلق ہے، کتاب اچھی، مفید اور پُر معلومات ہے، عربی اور مغربی مآخذ پر مصنف کو پوری دسترس حاصل ہے، اس لئے ان کے بیان مین ایک حد تک جامعیت اور ہمہ گیری کی شان پائی جاتی ہی، گو طرز بیان حد سے زیادہ علمی اور غیر جانبدارانہ ہی، پھر بھی کہین کہین "عربیت" اور "مسلمانیت" نہیں چھپ سکی ہے، کسی مصنف کی ہر تحقیق و نتیجہ سے تو اتفاق کرنا بہت دشوار ہے، پھر بھی جہانتک راقم کی حقیر معلومات کا تعلق ہی، مصنف کے بیانات صحیح نظر آئے، معمولی فروگذاشتین کہان نہین ہوتین، ؟ فروگذاشتون کے کچھ نمونے ابھی نظر آئین گے،

کتاب کے دو حصے ہین، دونون حصون مین متعدد "فیصلہ کن واقعات" کا ذکر ہے، اور پھر "متفرق مطالعے" کے تحت مین مختلف اچھے علمی اور تحقیقی مضمون ہین، اور ان دونون حصون سے پہلے مبادی کے طور پر "عربون کی فتح کا سیلاب" (Arab Conquest) اور "عربون کی مذہبی پالیسی" پر دو فصلین ہین، (صفحہ ۳-۲۰) "عربون کی مذہبی پالیسی" کے سلسلہ مین ذمیون کی حیثیت پر تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے، یون تو پوری بحث کھٹکتی ہی، لیکن یہ کہنا بالکل صحیح نہین کہ

"ان کی حالت (ذمیون کی) مختلف لحاظ سے یہودیون کی اس حیثیت سے ملتی جلتی تھی، جو انھین قرون وسطیٰ کے یورپ میں حاصل تھی، یا اب بھی ان ملکون مین ہر جہان

سامیون کے خلاف عناد کا جذبہ کار فرما ہے، (صفحہ ۱۹)

یہ بیان اپنی آپ تردید کر رہا ہے، اس پر کسی اظہار خیال کی ضرورت نہین، مغربی مآخذ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ہم غیرون کی عینک سے دیکھنے کے خوگر ہو جاتے ہین، اور بدقسمتی سے مصر کے فضلا، ابھی اُس دور سے نہین نکل سکے ہین، جسے مسلم ہندوستان ایک نسل پہلے پیچھے چھوڑ چکا ہی، فیصلہ کن واقعات کے پہلے حصہ مین دو تو واقعی فیصلہ کن واقعے تھے،

(۱) قسطنطنیہ کا محاصرہ (۲) معرکہ بلاط الشہداء،

باقی بحثین (۱) مسلمان، سمندر کے مالک (اور اس کی ذیلی بحثین) (۲) روما پر مسلمانون کا حملہ (۳) یونانی آگ (Greek Fire) اس کا آغاز و ارتقاء (۴) ساتوین صلیبی جنگ کے متعلق فرانسیسی مورخ De Joinville کی یادداشت "فیصلہ کن واقعات" سے تعلق نہین رکھتی،

ان تمام بحثون مین مصنف کی شان تحقیق پوری طرح نمایان ہی، لیکن افسوس کہ جابجا ان کے خیالات ہماری نگاہون مین کھٹکتے ہین، بحر روم کے جزیرون مین مسلمانون کی فتوحات کو انھون نے موجودہ یوروپی آبادکاری (Colonization) سے تشبیہ دینے مین (ص ۷۵) انتہائی ناانصافی سے کام لیا ہی، مسلمانون کے مفتوحہ علاقے اپنی مستقل حیثیت رکھتے تھے، اکثر و بیشتر تھوڑی ہی مدت بعد مرکزی اقتدار کا جوا اتار پھینکتے تھے، انکے یہان چار ہزار میل دور کبھی نوآبادیات کا دفتر نہین رہا، اور نہ اصلی باشندون کی زمینین چھین کر انھین ملکیت کے حقوق سے محروم کیا گیا،

مصنف کو ایک اور غلط فہمی یہ ہی کہ وہ اسلام اور مسلمانون کے درمیان بالکل فرق نہین کرتے، یہ روح تو پوری کتاب مین کار فرما ہے، لیکن "صلیبی جنگون کا تخیل" مین تو انھون نے مسلمانون کی ملک گیری کی تمام لڑائیون کو "اسلام" کے سر تھوپ دیا ہی، (صفحہ ۹۶) جو کسی طرح صحیح نہین، اس سے انکا

نہین کہ مسلمان بادشاہون مین بہتیرے خدا ترس اور اسلامی احکام کے پابند رہے ہین، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کی بڑی تعداد امورِ سلطنت مین احکامِ الٰہی سے انتہائی بے اعتنائی برتتی رہی ہے، اس لئے "اسلام اور مسلمان بادشاہون" کے ایک ہونے کا تخیل اب ختم ہو جانا چاہیئے،

"متفرق مطالعے" کے تحت "اسلام مین ڈپلومیسی" کی بحث زیادہ تر قیاس آرائیون پر مبنی ہے "قرونِ وسطیٰ مین غلامی" تحقیقی مضمون ہے، مگر یہان بھی اسلامی نقطۂ نگاہ کے پیش کرنے مین مصنف کو ناکامی ہوئی ہے، (ص ۱۵۹) "فروسیت" (Chivalry) کی تاریخ، اصول اور روایات" علمی حیثیت سے پُرمعلومات مضمون ہے لیکن مسیحی یورپ کی "فروسیت" کو عربون اور پھر "اسلام" مین ثابت کرنا "یورپ زدگی" کا نتیجہ ہے، (ص ۱۶۲-۱۶۳) عرب جاہلیت مین بھی قرونِ وسطیٰ کے مسیحی یورپ کے "شہسوارون" اور "سورماؤن" کا کوئی خاص نظام نہین تھا، اور نہ ان کے لئے "افلاطونی محبت" ضروری شرط تھی، جنگ جو عربون کے ہان سورماؤن اور نائٹون (Knights) کا کوئی خاص طبقہ نہین تھا، اسلام کے بعد تو خیر فخر و مباہات کا بُت بھی چور چور کر دیا گیا، وہان اس "ارستقراطیت" کی کہان گنجایش تھی؟ کسی مسلم سوسائٹی مین "بہادری" کسی خاص طبقہ کا ٹھیکہ نہین رہی، اندلس کے متعلق جو کچھ مصنف نے لکھا ہے (ص ۱۶۳) ہمین اس کا ثبوت نہین ملتا،

دوسرے حصہ مین بھی اسی طرح پہلے "فیصلہ کن واقعے" ہین، اور پھر متفرق مطالعے، سقوطِ طلیطلہ، جنگِ زلاقہ اور سقوطِ غرناطہ تو واقعی تاریخ کے فیصلہ کن واقعے تھے، (ص ۱۷۷-۲۲۳) لیکن "اندلس مین عربی تمدن کا زوال" (ص ۲۲۴-۲۳۰) اور "اسکوریال مین مسلم اسپین کا علمی ترکہ" (ص ۲۳۹-۲۴۷) ذیلی بحثین ہین لیکن پُرمغز اور پُرمعلومات،

"اندلس مین عربی تمدن کے زوال" کے آخر مین (ص ۲۳۰) مصنف نے ابو البقاء صالح بن شریف رندی کے جن اشعار کا ذکر کیا ہے، وہ اصل مین سقوطِ طلیطلہ (۴۷۸ھ/۱۰۸۵ء) کے موقع پر کہے گئے تھے، سقوطِ

غرناطہ (۸۹۷ھ/۱۴۹۱-۲ء) اور اندلس مین مسلمانون کے انقراض سے بہت پہلے رندی وفات پا چکا تھا، چونکہ رندی کے یہ اشعار بہت موثر ہین، اس لئے غالباً بعد مین اس مین پیوند لگتے رہے، اور غرناطہ و زوالِ اندلس کے مرثیہ کے طور پر زبان زد ہو گیا، (نفح الطیب: ۲ ص ۵۹۵)

"متفرق مطالعہ" کے تحت مارکوپولو (ص ۲۵۱) ابن بطوطہ (صفحہ ۲۶۵) پر دو مضمون ہین، اور دونون پُرمعلومات، ابن بطوطہ والے مضمون مین بعض معمولی فروگذاشتین ہو گئی ہین، مدینہ منورہ مین بیت الحرام (Bait-ul-Haram: ص ۲۶۶) کا ذکر تعجب خیز ہے، غالباً مترجم کو حرم کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی، سفرنامہ مین یہ الفاظ ہین :-

"وفی عشی ذٰلک الیوم دخلنا الحرم الشریف وانتہینا الی المسجد الکریم"

(رحلۃ ابن بطوطہ ج ۱ ص ۲۶۱-۲)

اسی طرح اسماعیل البخاری (ص ۲۷۲) کو محمد بن اسماعیل البخاری؟ سلطان احمد شاہ (ص ۲۷۳) کو سلطان محمد شاہ، اور المقتصم (ص ۲۶۸) کو المستعصم ہونا چاہیئے، کتاب کا آخری باب "ان مذہبی اساطیر" (Legends) سے متعلق ہے، جن کا تاریخ کی تشکیل مین کافی اثر رہا ہے اور انہی اساطیر مین احادیث مہدی کا ذکر بھی ہے۔ ع

کوئی تبلاؤ کہ ہم تبلائیں کیا؟

ان احادیث پر نقد کیا جا سکتا تھا، جیسا کہ مصنف کے ممدوح ابنِ خلدون نے کیا ہے، اور بھی اختلافِ رائے کی گنجایش تھی، لیکن سرے سے "اساطیر" سے تعبیر کرنا صریح زیادتی ہے،

کتاب کے اس انگریزی ایڈیشن مین ایک بڑی خامی یہ ہے کہ اعلام اور اماکن کے صحیح املا کی طرف بالکل توجہ نہین کی گئی، جس سے غیر عربی دان کبھی صحیح تلفظ نہیں کر سکتا، خود مصنف کا نام "(A. ENAN) عبد اللہ عنان ہی کیون پڑھا جائے، کتابیات (Bibliography) مین بھی کتابون کے نام یونہی درج کر دیئے گئے ہین، اب بتائیے کہ Bughiat

کو بُغیۃ کون پڑھ سکتا ہی؟ اسے (Bughyat) ہونا چاہیے اسی "بغیۃ الملتمس" کے مصنف
کا نام ء Al-Dabbi لکھا گیا ہی، اسے الضبی (Ad-Dabbi) کس طرح سمجھا جائے؟ وعلیٰ ہذا
پوری کتاب کا یہی حال ہے،

علمی کتابون مین صحیح املا اور Transliteration کے قواعد کا برتنا ضروری ہی،
کہین کہین اسما اور اماکن کے ضبط مین بھی چوک ہوگئی ہے، جیسے Al-Murrakishi
(ص ۲۱۲) کو (بفتح میم اور بضم کاف) Al-Marrakushi اور Al-Rasafah
(ص ۲۶۸) کو (بضم را) Ar-Rusafah ہونا چاہیے، مجموعی طور پر کتاب مفید اور قابلِ قدر ہے،

ابن خلدون (انگریزی)

از محمد عبد اللہ عنان مصری حجم ۲۲۰ صفحے، کاغذ اور چھپائی عمدہ قیمت ہے، پتہ:- شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور،

عمرانیات پر ابن خلدون کا مقدمہ پہلی جامع کتاب ہے، دوستون اور دشمنون تمام حلقون
مین اب یہ بات مان لی گئی ہی، ابن خلدون سے پہلے مفکرون اور فلسفیون کی کتابون مین
عمرانیات پر اشارے ملتے ہین لیکن کسی نے اس فن کا احاطہ نہین کیا، اس لئے اس تونسی مفکر کو
بجا طور پر عمرانیات یا Sociology کا بانی کہا جاتا ہے،

ابن خلدون اس دور مین پیدا ہوا جب دنیاے اسلام پر فکری انحطاط شروع ہو چکا
تھا، اور نظر و فکر کے دروازے بند ہو چکے تھے یا ہو رہے تھے، آٹھوین صدی ہجری مین اس
بالغ نظر عالم کا پیدا ہونا زمانہ کے عجائب مین شمار کیا جا سکتا ہی، اسلامی اور عربی دنیا مین "مقدمہ"

ل Ibn Khaldun his life and works,

کے پایہ کی کتاب نہ اوس سے پہلے لکھی گئی، اور نہ اوس کے بعد، اس لئے آج تک اسکی برتری قائم
ہی، اور اہلِ علم و نظر کو درس و مطالعہ کی دعوت دیتی ہے، موضوع اور مواد کو چھوڑ کر نفس زبان اور
اسلوب و انشار کے لحاظ سے بھی یہ "مقدمہ" اچھوتی چیز ہے، اور عربی زبان مین علمی موضوعون پر لکھنے والون
کے لئے اس سے بہتر نمونہ نہین مل سکتا،

نئے اثرات کے ماتحت عربی حلقون مین جہان او علمی و ادبی سرگرمیان پیدا ہوئی ہین، وہان
اسلاف کے علمی کارنامون کے احیار کا شوق بھی پیدا ہو گیا ہے، مشہور مصنفون اور شاعرون کی برسی
منائی جانے کا رواج ہو گیا ہے، چند سال ہوے، متنبی کی ہزار سالہ برسی دمشق مین منائی گئی،
صلاح الدین ایوبی اور یوم حطین کی یادتازہ کی جا چکی ہے، اسی سلسلہ مین ابن خلدون کے
فکری ترکہ کے نمایان کرنے کی کوشش جاری ہی، تونس مین عرصہ سے جمعیۃ خلدونیہ قائم ہی، جو
قابلِ تعریف تعلیمی خدمات انجام دے رہی ہی، ۱۹۳۲ء مین وفات پر چھ سو برس گذرنے کی تقریب
سے ابن خلدون کی یادتازہ کی گئی، اور اس کے علمی کارنامون اور نظریون پر خطبے اور مضامین پڑھے
گئے اور لکھے گئے، زیرِ نظر تالیف بھی اسی موقع پر عربی مین لکھی گئی تھی، اور "حیاۃ ابن خلدون و تراثہ
الفکری" کے نام سے شائع ہو چکی ہے، (قاہرہ: ۱۹۳۳ء) گو جدید عرب کی طرف سے ابن خلدون
کے حضور مین یہ پہلا خراجِ عقیدت نہین، شیخ محمد الخضر حسین التونسی (استاذ جامعۂ ازہر) کی کتاب
"حیاۃ ابنِ خلدون و مثل من فلسفتہ الاجتماعیۃ" سب سے پہلے ۱۳۲۳ھ مین نکلی، اس کے بعد طٰہٰ حسین کی
کی کتاب، La Philosophie Sociale d'Ibn Khaldoun
(ابن خلدون کا اجتماعی (عمرانی) فلسفہ پیرس ۱۹۱۷ء) نکلی جس کا عربی ترجمہ محمد عبد اللہ عنان نے کیا،
(۱۳۴۳ھ ۱۹۲۵ء) ایک دوسرے شامی اہلِ قلم محمد صبحی محمصانی نے "ابن خلدون کے اقتصادی افکار" Les
Idées économiques d'Ibn Khaldoun پر توجہ کی، (۱۹۳۲ء)

زیر نظر کتاب دو حصّون مین بٹی ہوئی ہے، پہلے حصّہ مین ابن خلدون کے سوانحِ حیات بیان کئے گئے ہین، (ص ۱-۱۱۱) اور دوسرے مین "عقلی اور اجتماعی ترکہ" سے بحث کی گئی ہی، سیرت کا حصّہ جامع اور مستند ماخذ پر مبنی ہی، شمالی افریقہ مین ابن خلدون کی کشمکش اور الٹ پھیر کی زندگی کی وجہ سے مصنف نے اُسے ابن الوقت (Opportunist) کہا ہی (ص ۲۴، ۴۴) ہماری راے مین اُس زمانہ کی ہر آن بدلتی ہوئی سیاست کے پیشِ نظر ابن خلدون کو سراہا نہین، تو معذور ضرور رکھا جاسکتا ہی، لیکن یہ تو پھر بھی غنیمت ہی، میکیا ویلی (Machiavelli) اور ابن خلدون کو ایک صف مین بٹھا کر تو مصنف نے غضب کر دیا ہی، (ص ۴۴) آٹھوین اور نوین صدی ہجری مین علماے مصر کے جھگڑون پر مؤلف نے بہت خوب لکھا ہے، ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) سخاوی (م ۹۰۲ھ) اور سیوطی (م ۹۱۱ھ) جیسے فضلاے روزگار کو مبتلاے آزار پا کر سخت الجھن ہوتی تھی، مصنف کے بیان سے اس الجھن مین کمی ہو گئی، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: (ص ۱۰۴-۸)

کتاب کا دوسرا حصہ (ص ۱۲۱-۲۱۲) نہایت مفید اور معلومات سے لبریز ہے، اس مین پانچ فصلین ہین :-

(۱) ابن خلدون کا بیان کردہ نظریۂ عمرانیات،

(۲) ابن خلدون سے پہلے سیاست اور جہانبانی کے نظام، (Institutions)

(۳) کتاب العبر اور التعریف

(۴) ابن خلدون اور جدید نقد و نظر،

(۵) ابن خلدون اور میکیا ویلی،

مصنف نے پہلی فصل مین مقدمہ کے ابتدائی حصّہ پر بھی نظر ڈالی ہی، اور ابن خلدون کی کمزوریون کی طرف اشارے کئے ہین، ضعف دلائل کے لحاظ سے "جعفر و عباسہ کی داستان" (ص ۱۲۵)

(ص ۱۲۵-۶) اور "جانبداری" کے لحاظ سے مصر کے عبیدی (فاطمی) خلفا کی "فاطمیت" کی تائید مثال مین پیش کیجاسکتی ہی، عربون پر ابن خلدون کے نامناسب اور غیر معقول حملون کا بھی مناسب جواب دیا ہی (ص ۱۵، ۱۲۹، ۱۲۸)

ہم نے ابھی کہا ہی کہ یہ دوسرا حصہ انتہائی پُر معلومات ہی، "ابن خلدون اور جدید نقد و نظر" (ص ۱۶۸) کے تحت مین مصنف نے ان تمام کوششون کا جائزہ لیا ہی، جو مغرب نے ابن خلدون کے سمجھنے اور سمجھانے کے سلسلہ مین اب تک کی ہین، مختلف یورپی زبانون کی واقفیت کی وجہ سے وہ اس کے اہل بھی تھے، پوری کتاب مین سب سے کمزور بحث "ابن خلدون اور میکیا ویلی" (ص ۱۸۹-۲۰۴) پر ہے، گو مصنف نے ابن خلدون کو اس "باطل پرست فلارنساوی" پر ترجیح دی ہے، اور مغربی سیاست کے اس سرچشمہ کی گندگیون کی طرف بھی اشارے کئے ہین، لیکن ہماری نگاہ مین دونون کو ملانے اور طالوی بازیگر کو تونسی مورخ کا خوشہ چین بنانے کی کوشش ہی یکسر بے سود ہی، اس سلسلہ مین مصنف کی دور از کار قیاس آرائیان بے نتیجہ اور بے دلیل ہین،

آخر مین کتاب العبر کے مختلف نسخون، طباعتون اور ترجمون وغیرہ کا مفصل جائزہ ہی، جو مقدمہ اور تاریخ کی اہمیت جتلانے کے لئے ضروری تھا، انگریزی کتابون کے دستور کے مطابق خاتمہ پر کتابیات اور اشاریہ بھی دیئے گئے ہین،

املا کی صحت کا خیال اس کتاب مین بھی نہین یحیٰ کو Yahia (ص ۱۴) اور ہجرہ کو (Hijra) (ص ۱۵) لکھا گیا ہی حالانکہ علی الترتیب Yahya اور Hijrah ہونا چاہئے تھا، اسی طرح Mu'jam al-Udabba کو Mu'jam al-Udaba اور Al-Ghazali (ص ۱۴۴) کو Al-Gazzali ہونا چاہئے املا کی غلطیان بہت ہین، یہ نمونہ کے طور پر ذکر کیا گیا، اور املا کے اصول و قواعد تو کہین نہین برتے گئے،

بہر حال ان معمولی اور جزوی فروگذاشتون کو چھوڑ کر کتاب ہر لحاظ سے اچھی ہی اور قابلِ مطالعہ

مطبوعات جدیدہ

ایران بعہد ساسانیان مترجمہ جناب ڈاکٹر محمد اقبال پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور، تقطیع بڑی ضخامت ۶۰۰، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ۸ غیر مجلد عہ۷ پتہ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی،

ایران کی ساسانی حکومت اپنے عہد کی دنیا کی عظیم الشان حکومتوں میں تھی، جس نے تقریباً چار سو سال تک بڑے جاہ وجلال کے ساتھ حکمرانی کی، اور ایسے بلند تمدن کی بنیاد ڈالی، جو صدیوں تک مشرق کے بڑے حصہ پر چھایا رہا، بلکہ اسلام کے بعد بھی بنی عباس سے لیکر ہندوستان کے مغلوں تک مشرق میں جتنی اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں ان سب میں اس تمدن کی کچھ نہ کچھ جھلک موجود تھی، دوسری زبانوں کا کیا ذکر، خود فارسی میں بھی اس عظیم الشان حکومت کے شایان شان اسکی کوئی ایسی تاریخ نہیں ہے، جس سے اسکی سیاسی اور تمدنی عظمت کا صحیح اندازہ ہو سکے، ایک فاضل مستشرق آرتھر کرسٹن سین پروفیسر کوپن ہاگن یونیورسٹی ساسانیات کے بڑے عالم ہیں، ان کی ساری عمر اسی موضوع پر مطالعہ اور تلاش وتحقیق میں گذری اور انھوں نے اس پر بہت سے مضامین اور مستقل کتابیں لکھیں، زیر نظر کتاب فرنچ زبان میں ساسانی حکومت کی تاریخ پر انکی نہایت محققانہ ومبسوط تالیف ہے، اس میں ساسانی حکومت کے قیام اوس کے عروج وزوال، نظام حکومت، تہذیب ومعاشرت، مذہب، علوم وفنون، صنعت وحرفت، آثار وباقیات کے متعلق معلومات کا نہایت بیش قیمت ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے، مواد کی تلاش وتحقیق میں فاضل محقق نے جو

محنت اٹھائی ہے، اور جس طرح انھوں نے ایک ایک دانہ چن کر معلومات کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے، اس کا اندازہ صرف اہل نظر ہی کر سکتے ہیں، ایشیا اور یورپ کی زندہ زبانوں کے علاوہ قدیم یونانی، سریانی، لاطینی اور چینی ماخذوں اور ساسانی آثار وباقیات سے بڑی محنت وجانفشانی سے سرمایہ فراہم کیا گیا ہے، اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ ساسانی تاریخ پر کسی زبان میں ایسی مبسوط ومحققانہ کتاب نہیں مل سکتی، ساسانی حکومت کے پس منظر کے طور پر اسکے پہلے کے ایرانی تمدن کا مختصر خاکہ بھی دیدیا گیا ہے، یہ کتاب اس لائق تھی کہ اردو میں اس کا ترجمہ کیا جاتا، پروفیسر محمد اقبال صاحب شکریہ کے مستحق ہیں، جنھوں نے اس اہم کتاب کو اردو میں منتقل کرکے اس کے ذخیرہ میں ایک قابل قدر کتاب کا اضافہ کیا، ترجمہ بہت سلیس وروان ہے، ساسانی آثار کے بہت سے فوٹو بھی ہیں اور آخر میں اسماء واعلام کا انڈکس بھی دیدیا گیا ہے،

اقبال کا مطالعہ از جناب سید نذیر نیازی صاحب، تقطیع اوسط ضخامت ۲۶۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ پتہ اردو بک اسٹال بیرون لوہاری دروازہ، لاہور،

سر اقبال کی شاعری، ان کا فلسفہ اور ان کے خیالات دوسرے شعراء، فلاسفہ اور مفکرین کے خیالات اور فلسفہ سے بالکل مختلف حیثیت رکھتے ہیں، ان کا فلسفہ ابداعی ہے جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات پر ہے، اس حقیقت کو سمجھے بغیر کلام اقبال کی قدر وقیمت اور اسکی روح کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کے متعلق مختلف قسم کے شکوک واوہام پیدا ہو سکتے ہیں، جناب نذیر نیازی صاحب جنھوں نے کلام اقبال کا اچھا مطالعہ کیا ہے، اس کتاب میں کلام اقبال کی اسی روح سے بحث کی ہے، اس میں چار مضامین ہیں، اقبال کا مطالعہ، اقبال اور حکمائے فرنگ، اقبال کی عظمت فکر اور اقبال کی آخری علالت، پہلے مضمون میں کلام اقبال کی بنیادی روح اور اسکی غرض وغایت پر بحث کرکے اسکی قدر وقیمت دکھائی گئی ہے، دوسرے اور تیسرے مضمون میں اس خیال کی تردید

کی گئی ہے، کہ اقبال کے خیالات حکماے فرنگ سے ماخوذ ہین، اور نطشے، برگسان، میک ٹے گرٹ اور ادس پنگی سے اقبال کے فلسفہ کا موازنہ کرکے دونون کے اختلاف اس پر اقبال کی تنقید کی تفصیل پیش کرکے ان کے مقابلہ مین اقبال کے فلسفہ کی عظمت واضح کی گئی ہے، ضمناً موجودہ دور کے بعض مسائل کے متعلق اسلامی تصورات بھی زیر بحث آگئے ہین، اردو زبان مین کلام اقبال کے متعلق مضامین کی کمی نہین، لیکن یہ مضامین کلام اقبال کے مطالعہ کے لئے اصولی ہدایت کی حیثیت رکھتے ہین، آخری مضمون اردو کے اقبال نمبر مین نکل چکا ہی،

تاریخ وطنیت از جناب شبلان تقطیع بڑی ضخامت ۱۸۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت مجلد عہر، پتہ ادارہ تجدید علم حیدرآباد دکن،

اس کتاب مین جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، ایشیا اور یورپ کے مختلف ملکون فرانس، جرمنی، اٹلی، انگلستان، آئرستان، چین، جاپان اور اسلامی ملکون مین وطنیت کی تحریک کی ابتدا اور اس کے ارتقا، کی تاریخ بیان کی گئی ہے، اور اس تحریک کے نشو و نما مین فلاسفہ و مفکرین کے اثرات، وطن پرستون کے مساعی اور سیاسی انقلابات کی پوری سرگذشت آگئی ہی، ہندوستان مین تحریک وطنیت کی تاریخ نسبتہً زیادہ تفصیلی ہے، آخر مین وطنیت کے پیدا کردہ نظام اور اس کے مفاسد پر مختصر تبصرہ ہے، مسلمانون کی وطنیت کے بارہ مین لائق مؤلف کا نقطۂ نظر خالص اسلامی ہے، اور انکی حمیت غیر قومون کی شرکت غم بھی گوارا کرنے کے لئے آمادہ نہین ہی، تاریخی واقعات کے حوالے بھی دیدیے گئے ہین،

نازیت، مولفہ جناب شاہ حسین صاحب رزاقی ایم اے عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۶۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہر، پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی لاہور لکھنؤ، بمبئی، نمبر ۳،

آج کل نازیت کی اصطلاح ہر شخص کی زبان پر ہے، لیکن اسکی تاریخ اور اسکی حقیقت سے کم لوگ واقف ہین، عام طور پر اسے ہٹلر کے دماغ کی پیداوار سمجھا جاتا ہی، حالانکہ اسکی تاریخ بہت قدیم ہے، اسکے بنیادی تخیل کو جرمنی کی سیاسی پراگندگی نے آج سے کئی صدی پیشتر پیدا کیا تھا، اور اس کے پہلے قائد فریڈرک اعظم اور بسمارک تھے، ان کے بعد جرمن مفکرین فلاسفہ اور سیاستین مختلف زمانون مین اسکی تبلیغ اور اس کو عمل مین لانے کی کوشش کرتے رہے، جرمنی کے سیاسی حالات کے ساتھ ساتھ اس تحریک نے بڑھتے بڑھتے موجودہ شکل اختیار کی، اس کتاب مین اس کی ابتدائی اسباب ارتقا، موجودہ نازیت، اس کا مقصد و مدعا، غرض و غایت، جنگ عظیم کے بعد سے اس کی تاریخ، نشو و نما، نظام اور نتائج وغیرہ کی پوری تفصیل پیش کی گئی ہے، کتاب پڑھنے کے لائق ہے،

حیوانی دنیا کے عجائبات، مؤلفہ جناب عبد البصیر خان صاحب تقطیع بڑی، ضخامت ۱۵۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت عار، پتہ:- انجمن ترقی اردو ہند دہلی،

عام طور سے حیوانات کو ایک بے شعور جاندار سے زیادہ حیثیت نہین دیجاتی، حالانکہ وہ اپنے اندر عجائبات کا حیرت انگیز عالم رکھتے ہین، موجودہ علمی دور نے اس کو مستقل فن بنا دیا ہی، مسلمانون نے بھی اپنے زمانہ مین اس پر کتابین لکھی تھین، جاحظ اور دمیری کی کتابین چھپ کر شائع ہو چکی ہین، عبد البصیر خان صاحب شعبۂ حیوانیات مسلم یونیورسٹی نے اس کتاب مین حیوانون کی دلچسپ خصوصیات، حیرت انگیز عجائبات اور ان کے متعلق مختلف قسم کے مفید اور دلچسپ معلومات پیش کئے ہین، دلچسپی کے لئے جا بجا تصویرین بھی دے دی ہین، اردو مین ایسی کتابون کی بڑی ضرورت ہے،

آثار دہلی، مترجمہ جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی ایم اے پی ایچ ڈی، پروفیسر سنیٹ سٹیفنز کالج دہلی تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۰۲ صفحے کاغذ کتابت و

طباعت بہتر، قیمت عہ، پتہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس بمبئی کلکتہ مدراس،

دہلی کا چپہ چپہ آثار قدیمہ کا مخزن ہی، سب سے پہلے سر سید احمد خان مرحوم نے ان کے حالات مین آثار الصنادید لکھی، لیکن اس کا معیار کسی قدر بلند ہے، اور اب وہ کمیاب بھی ہی، ٹی جی پی سپیر صاحب ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر سینٹ سٹیفنز کالج دہلی نے اس موضوع پر طلبہ کیلئے انگریزی مین یہ دوسری کتاب لکھی ہے، اس مین ہندؤن کے عہد عتیق سے لیکر مغلون کے زمانہ تک دہلی کے تمام حکمرانون کی تعمیری آثار، طرز تعمیر، اور ان کے متعلق تاریخی واقعات کا حال ہی، آخر مین انگریزی عہد کے آثار، نئی دہلی کا تذکرہ اور ہر دور کی تعمیری خصوصیات پر تبصرہ ہی، جناب اشتیاق حسین قریشی نے عام فائدہ کے لئے اردو مین اس کا ترجمہ کر دیا ہی، گو یہ کتاب طلبہ کے لئے لکھی گئی ہے، لیکن معلومات کے لحاظ سے طلبہ اور غیر طلبہ دونون اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہین،

خطابیات حصہ دوم مؤلفہ جناب شیخ رحیم الدین کمال صاحب ظہیر آبادی،

تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۱۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۲؍، پتہ:-

ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد دکن،

اس کتاب کا پہلا حصہ اس سے قبل شائع ہو چکا ہی، اس دوسرے حصہ مین مختلف ملکون مین تقریر کے ارتقار کا ذکر، اسکی اثر اندازی کے وسائل و ذرائع، مقرر کی قائدانہ خصوصیات، مباحثون اور تقریرون کے مختلف اقسام مثلاً نشری تقریرون، سپاسنامون، دعوتی اور تعزیتی تقریرون کے اصول وطریقے بتائے گئے ہین، اور اسکی مثالین دی گئی ہین، اور ہندوستان کے بعض پرانے مشہور خطیبون کی تقریرون کے نمونے دیئے گئے ہین، تقریر کا ملکہ بڑی حد تک نظری ہوتا ہی، لیکن علم واکتساب کو بھی اس مین دخل ہی، اس لئے نو مشق مقررون کے لئے اس کتاب مین بہت سی مفید ہدایتین ہین،

"م"

جلد ۴۹ ماہ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۴۲ء عدد ۵

مضامین